یا اللہ مدد | حیات النبی ﷺ زندہ باد | شان رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شان صحابہ ؓ زندہ باد | مقام امام اعظم ابو حنیفہ زندہ باد | حق چار یار

اکابرین دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلہ صفدر

بفیضان
مظہر شریعت و طریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہ ؓ
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید و خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

بیاد
محدث عرب و عجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

مفسر قرآن ولی کامل حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی نور اللہ مرقدہ	فقیہ العصر ترجمان دیوبند حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ	فخر اہل سنت وکیل صحابہ ؓ حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی نور اللہ مرقدہ
حکیم العصر شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ	امین ملت مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ
پاسبان مسلک احناف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ	ترجمان مسلک دیوبند مولانا نور محمد تونسوی نور اللہ مرقدہ
وکیل صحابہ ؓ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید نور اللہ مرقدہ	جانشین شہید اسلام محقق العصر حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نور اللہ مرقدہ

بدعا: وکیل صحابہ ؓ حضرت مولانا عبد الستار تونسوی نور اللہ مرقدہ — حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی نور اللہ مرقدہ

سرپرست
پیر طریقت شیخ الحدیث
حضرت مولانا حبیب الرحمن سومرو صاحب مدظلہ

نگران
وکیل احناف مناظر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب مدظلہ

مدیر اعلیٰ	مدیر مسئول	مدیر
مولانا جمیل الرحمن عباسی	مولانا احسن خدامی	حمزہ احسانی
0301-7790908	0320 4902150	0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

برائے رابطہ: احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82، محمود سٹریٹ، محلہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

ترتیب

اجتماعی مجلس ذکر

ارشادگرامی: قطب وقت حضرت مولانا سید محمد امین شاہ رحمہ اللہ (فاضل دیوبند)

تلمیذ رشید: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

خلیفہ مجاز: حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ اجل، قطب تکوین حضرت مولانا پیر سید خورشید احمد ہمدانی رحمہ اللہ

ہمارے سلسلہ عالیہ میں اجتماعی ذکر کی بجائے انفرادی ذکر بتلایا جاتا ہے۔ اِس سلسلہ میں ایک اُصول ملحوظِ خاطر رکھیے کہ: فرض نماز اور اُن نمازوں کے علاوہ جو با جماعت ادا کرنا ثابت ہوں، مثلاً: تراویح، کسوف، استسقاء۔ اور حج بیت اللہ جیسی اجتماعی فرض عبادت کے علاوہ جو بھی نفل نماز اور اعمال ہیں تمام فقہاء کا اِس پر اجماع ہے کہ وہ گھر پر اور خلوت میں افضل ہیں۔ کیونکہ جس قدر تخلیہ ہوگا، اِخلاص زیادہ ہوگا۔ اخلاص کی برکت سے قبولیت یقیناً ہوگی۔ جیسے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آہستہ تلاوت کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی: أَسۡمَعۡتُ مَنۡ نَاجَيۡتُ. یعنی جس ذات سے میں مناجات کر رہا ہوں اس کو میں نے سنا دیا۔

مثلاً: اگر کوئی بادشاہ کسی کو وقت مقرر کر کے ضروری مشورہ کے لیے اکیلے آنے کا حکم کرے تو وہ معتمدِ خاص پوری جماعت کے ساتھ حاضر ہو جائے تو شاہِ وقت کی خصوصی ملاقات کی اُس نے ناقدری کی ہے۔ وہ کبھی بھی اِس سے وہ راز نہ کہے گا جس کے بارے تنہائی میں گفتگو کا ارادہ تھا۔

نفلی عبادات کی اَصل قدر یہی ہے کہ بندہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہوں، تیسرا کوئی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے تنہائی میں ملاقات، یہ عظیم اعزاز ہے۔ اِس لیے ذکر کرتے ہوئے خالق حقیقی سے خلوت میں رابطہ مضبوط کرنا چاہیے۔ اجتماعی مجالس ذکر میں مذکورہ گوہر مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

(شجرہ مبارکہ مع تسبیحات و اورادِ ماثورہ: مولانا سید محمد امین شاہ رحمہ اللہ مخدوم پور پہوڑاں ضلع خانیوال: ۶۱)

پیامِ صفدر

مولانا مفتی رب نواز حفظہ اللہ

رمضان المبارک کے چند مسائل، احادیثِ بخاری کی روشنی میں

مسئلہ نمبر ۱:......سحری کھانے کا حکم:

حدیث بخاری: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِیْ السُّحُوْرِ بَرَکَۃً**. [صحیح بخاری: ۱/۲۵۷] سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے۔

اس حدیث میں ''**تَسَحَّرُوْا**'' امر کا صیغہ ہے وجوب کے لیے نہ سہی استحباب سے کیا کم ہوگا؟

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سحری کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ [شرح مسلم: ۱/۳۵۰]

مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سحری نہ کھانا: حدیث نبوی: ''**تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِیْ السُّحُوْرِ بَرَکَۃً**'' اور حدیث **فَصْلُ مَابَیْنَ صِیَامِنَا وَصِیَامِ اَھْلِ الْکِتَابِ اُکْلَۃُ السَّحُرِ** رواہ مسلم کے خلاف ہے۔''

(فتاوٰی ثنائیہ بحوالہ فتاوٰی علمائے حدیث: ۶/۱۰۴)

غیر مقلدین: لیکن اس کے برعکس غیر مقلدین سحری نہ کرنے کو کمال بزرگی جانتے ہیں اور اسے قابل تعریف وصف سمجھ کر اس کی شہرت کرنے کو فخر سمجھتے ہیں۔

چنانچہ غیر مقلد مصنف حکیم محمد اشرف سندھو صاحب اپنے استاد مولانا عبد اللہ روپڑی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مدت مدید اور عرصہ بعید سے صائم الدہر ہیں صرف ایک ہی وقت شام کو کھایا کرتے ہیں۔''

[نتائج التقلید: ۳۰]

مسئلہ نمبر ۲:......سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے۔

حدیث بخاری: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''**فَقَالَ اَصُوْمُ فِیْ السَّفْرِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ**. کیا میں سفر میں روزہ رکھوں؟ آپ نے فرمایا: چاہو تو روزہ رکھو اور اگر چاہو تو نہ رکھو۔ [صحیح بخاری: ۱/۲۶۰۔ **کِتَابُ الصَّوْمَ: بَابُ الصَّوْمِ فِیْ السَّفْرِ وَالْاِفْطَارِ**۔ تیسیر الباری: ۳/۱۰۶۔ تشریح بخاری: ۳/۱۹۹]

بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ سفر میں روزہ دار تھے۔ [ایضا]

بخاری کی ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے۔

غیر مقلدین: بخاری کی احادیث کے برخلاف اہل ظواہر کی رائے ہے کہ حالت سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔

امام آلِ غیر مقلدیت علامہ وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اہل ظاہر کا مذہب ہے کہ رمضان میں سفر میں روزہ رکھنا صحیح نہیں اور اگر کسی نے رکھا بھی تو درست نہیں ہوگا اور اس کی قضا واجب ہے۔'' [شرح مسلم: ۱۲۲/۳]

اہل ظاہر کو غیر مقلدین نے اپنے اصحاب میں شمار کیا ہے، مثلاً دیکھئے، نزل الابرار: ۵۷/۱۔

علامہ وحید الزمان صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ابن حزم... امام داود ظاہری... یہ اہلِ حدیث کے امام ہیں'' [رفع العاجة : ۶۵۲/۱]

حافظ زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد نے لکھا:

''ان عبارات میں اہلِ حدیث، اہلِ ظاہر اُن لوگوں کو کہا گیا ہے جو کسی کی تقلید نہیں کرتے بلکہ حدیث اور آثار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اہلِ ظاہر کا مشہور مسئلہ ہے کہ تقلید جائز نہیں جیسا کہ حافظ ابنِ حزم الاندلسی الظاہری نے لکھا ہے: ''والتقلید حرام'' اور تقلید حرام ہے۔'' [علمی مقالات ۱۳۵/۶]

مزید دیکھئے برصغیر میں اہلِ حدیث کی آمد: ۱۳، تحفہ حنفیہ: ۶۵۲، اصلی اہل سنت کی پہچان: ۹۵، حدیث اور اہلِ تقلید: ۲۱۲/۱۔

مسئلہ نمبر ۳:......فجر کے بعد روزہ کی نیت کرنا درست ہے۔

حدیث بخاری: سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلم قبیلہ کے ایک شخص سے فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کرو کہ: ''**مَنْ كَانَ اَكَلَ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَكَلَ فَلْيَصُمْ.** جو کھا چکا ہو وہ دن کے باقی حصے میں بھی کھانے پینے سے رُکا رہے اور جس نے نہ کھایا ہوا سے روزہ رکھ لینا چاہیے'' [صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۲۶۹۔ **كِتَابُ الصَّوْمِ بَابُ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَآ۔** تیسیر الباری: ۱۴۶/۳۔ تشریح بخاری: ۲۳۹/۳)

بخاری کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ روزہ کی نیت فجر کے بعد دن میں کر لی جائے تو کفایت کر جائے گی یعنی روزہ درست ہوگا۔

غیر مقلدین: لیکن بخاری کی اس حدیث کے خلاف غیر مقلدین کی رائے ہے کہ روزہ کی نیت فجر سے پہلی ضروری ہے اگر فجر کے بعد نیت کی تو روزہ درست نہ ہوگا۔

چنانچہ مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب لکھتے ہیں:

''روزہ کی نیت فجر سے پہلے پہلے ضروری ہے...اگر فجر سے پہلے روزے کی نیت نہیں کی جائے گی تو روزہ نہیں ہوگا۔'' [احناف کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف: ۳۵۵]

مولانا یونس دہلوی صاحب کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ جس نے فجر سے پہلے روزہ کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں۔ [فتاوٰی علمائے حدیث: ۲/۴۵۵]

مسئلہ نمبر ٤:......ساری رات عبادت کرنے کا ثبوت:

حدیث بخاری: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''**کَانَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَہٗ وَاَحْیٰی لَیْلَہٗ وَ اَیْقَظَ اَھْلَہٗ**۔ جب (رمضان کا) آخری عشرہ آتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لُنگی خوب کس لیتے۔ راتوں کو جاگتے اور گھر والوں کو جگاتے'' [صحیح بخاری: ۱/۲۷۱۔ **کِتَابُ الصَّوْمِ :بَابُ الْعَمَلِ فِیْ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَّمَضَانَ**۔ تیسیر الباری: ۳/۱۵۶۔ تشریح بخاری: ۳/۲۵۱]

یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

''**اَیْ اِسْتَغْرَقَہٗ بِالسَّھْرِ فِیْ الصَّلٰوۃِ وَغَیْرِھَا**۔ یعنی آپ ساری رات نماز وغیرہ عبادات میں مشغول رہتے۔'' [شرح مسلم: ۱/۳۷۲]

مولانا داؤد راز صاحب غیر مقلد، بخاری کی مذکورہ بالا حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

''کمر کس لینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس عشرہ میں عبادت الٰہی کے لیے خاص محنت کرتے۔ خود جاگتے، گھر والوں کو جگاتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سارا عمل تعلیمِ اُمّت کے لیے تھا۔'' [تشریح بخاری: ۳/۲۵۱]

بخاری کی اس حدیث کی رُو سے ساری رات جاگنا درست ہے۔

غیر مقلدین: لیکن اس حدیث کے برخلاف غیر مقلدین ساری رات جاگنے اور عبادت کرنے کو ممنوع اور بدعت کہتے ہیں۔

چنانچہ مولانا صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

''ساری ساری رات جاگ کر عبادت کرنا یا ہمیشہ روزہ رکھنا بھی اسلام میں ممنوع اور ناپسندیدہ ہے۔'' [شرح ریاض الصالحین: ۲/۱۹۳]

مولانا میاں نذیر حسین دہلوی صاحب، ساری رات جاگنے کو بدعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دلیل بدعت ہونی اس عبادت کی یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر میں کبھی

شب کو تیرہ رکعت سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے اور نہ کبھی تمام شب جاگے۔'' [معیار الحق: ۴۵، دوسرا نسخہ: ۳۲]

تمام شب جاگنے کی بات اوپر حدیث بخاری میں مذکور ہے اور تیرہ سے زائد نوافل کا ثبوت حدیث مسلم میں بیان ہوا ہے کہ **عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ**۔ یعنی کثرت سے نوافل پڑھنا اپنے اوپر لازم کرلو۔

مسئلہ نمبر ۵:......اعتکاف کی ابتدا اکیسویں رات سے ہوتی ہے۔

حدیث بخاری: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''**كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَّمَضَانَ.** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دن اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔'' [صحیح بخاری: ۱/۲۷۱۔ **كِتَابُ الصَّوْمِ :بَابُ الْاِعْتِكَافِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ**۔ تیسیر الباری: ۳/۱۵۷۔۱۵۸۔ تشریح بخاری: ۳/۲۵۲]

بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔ [حوالہ مذکورہ]

مولانا مبشر ربانی صاحب غیر مقلد کہتے ہیں:

''عام اہل علم یہ بات لکھتے ہیں کہ آخری عشرہ کا آغاز بیس رمضان کا سورج غروب ہوتے ہی ہو جاتا ہے، لہٰذا معتکف کو چاہیے کہ اکیسویں رات شروع ہوتے ہی مسجد میں آجائے۔''

[آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱/۲۹۶]

غیر مقلدین: لیکن بخاری کی حدیث کے برخلاف بعض غیر مقلدین کی رائے ہے کہ اعتکاف بیسویں کی صبح کو بیٹھنا چاہیے۔

مولانا عبدالسلام بستوی صاحب لکھتے ہیں:

''بیسویں تاریخ کی صبح کو بعد نماز فجر مسجد میں آجانا چاہیے'' [اسلامی خطبات: ۱/۴۶۱]

مولانا مبشر ربانی صاحب لکھتے ہیں:

''زیادہ مناسب اور موزوں یہ ہے کہ بیسویں کی صبح کو مسجد میں آجائے اور نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے معتکف میں تیار ہوکر بیٹھ جائے۔'' [آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱/۲۹۷]

مولانا شرف الدین دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

''بیسویں کی صبح کی نماز کے بعد اعتکاف میں بیٹھ جائے۔''

(فتاوٰی ثنائیہ: ۱/۶۴۹۔ فتاوٰی علمائے حدیث: ۶/۴۵۵)

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی منور احمد

رمضان، قرآن اور تراویح

رمضان المبارک کا مہینہ رحمت خداوندی کی ہواؤں کا موسم بہار ہے اس ماہ مبارک میں اللہ رب العزت کی رحمت و مغفرت کی گھٹائیں جھوم جھوم کر برستی ہیں بندوں کی مغفرت کے لیے بہانے تلاش کرتی ہیں ہر کرن و ہر لمحہ میں انسان کو نوازنے کا اور دعاؤں کی قبولیت کا اعلان کیا جاتا ہے، اِس لیے اِس کے ہر لمحے کو اللہ رب العزت کی اطاعت و فرمانبرداری و عبادت میں گزارنا چاہیے۔ رمضان المبارک میں بہت عظیم الشان عبادتیں رب کے حضور ادا کی جاتی ہیں، اُن میں سے ایک عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے، تمام اہل اللہ کا تجربہ ہے کہ دل کی صفائی، ایمانی کیفیات میں زیادتی اور انسان میں استقامت کی صفات پیدا کرنے میں سب سے زیادہ سحر اثر اور قوی التاثیر عمل قرآن کریم کی تلاوت ہے۔ اور علماء و صلحاء کی عام زندگی میں عموماً اور رمضان المبارک کے مہینے میں خصوصاً اس کا اہتمام کئی درجہ بڑھ جاتا ہے۔ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ رمضان المبارک میں ایک دن رات میں دو قرآن کریم ختم فرماتے تھے۔

شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ رمضان المبارک کی راتوں میں شب بیداری کا اہتمام فرماتے تھے۔ مغرب کے بعد دو حافظ اوبین میں سناتے تھے۔ عشاء کے بعد تراویح میں نصف شب تک تین حافظ سناتے۔ اِس کے بعد نوافل تہجد میں دو حافظ قرآن پاک سناتے تھے۔ اسی طرح پوری رات گزر جاتی تھی۔ اس لیے ہم لوگوں پر بھی یہ لازم ہے ہم بھی رمضان المبارک میں کثرت کے ساتھ قرآن مبارک کی شوق و جذبہ کے ساتھ تلاوت کریں۔

قرآن مجید کی تلاوت تراویح میں بھی کی جاتی ہے، اِس لیے اس کے کچھ مسائل ذکر کیے جاتے ہیں۔ ہر عاقل بالغ مسلمان مرد و عورت پر ۲۰/رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ مرد حضرات اہتمام کے ساتھ مسجد میں باجماعت ادا کریں۔ جبکہ خواتین اپنے گھروں میں انفرادی طور پر تنہا تنہا پڑھنے کا اہتمام کریں۔ عورتوں کی سب سے افضل نماز حدیث شریف کی رو سے وہ ہے جو وہ گھر کے تاریک کمرے میں ادا کریں۔

آٹھ رکعت تراویح کا کسی صحیح صریح مرفوع حدیث سے کوئی ثبوت نہیں، صحابہ کرام، ائمہ اربعہ اور

فقہاء کرام کا چودہ سو سال سے بیس رکعت تراویح پر مسلسل تعامل چلا آ رہا ہے۔

(رسالہ تراویح، مولانا غلام رسول)

ایک مشت سے ڈاڑھی کم رکھنا اور اس کو کاٹنا حرام ہے بلکہ شریعت کی کھلم کھلا بغاوت ہونے کی وجہ سے دوسرے کبائر سے زیادہ سخت گناہ ہے، اِس کا مرتکب فاسق و فاجر ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اِس لیے ایسے شخص کو تراویح میں ہرگز امام نہ بنانا چاہیے۔ متبع شریعت صالح دین دار حافظ اگر میسر نہ ہو تو غیر حافظ دیندار شخص کی اقتداء میں چھوٹی سورتوں کے ساتھ تراویح پڑھ لی جائے۔ اگر ڈاڑھی کٹانے والے شخص کو مسجد کی انتظامیہ تراویح کے لیے متعین کردے تب بھی اس کی اقتداء میں تراویح جائز نہیں۔ اور مسجد کے ایسے ارکان جنہوں نے علم رکھنے کے باوجود ایسے شخص کو تراویح کے لیے متعین کیا ہے وہ بھی فاسق ہیں۔ اہل محلّہ پر لازم ہے کہ ایسے بے دین ارکان کو مسجد کی انتظامیہ سے فوراً برطرف کردیں۔ جو حافظ ڈاڑھی کٹوانے کے بعد اس سے توبہ کرلے اور اس کی ڈاڑھی ابھی پوری ایک مشت کی نہ ہوئی ہو تو توبہ کے باوجود پوری ڈاڑھی ہونے سے پہلے ایسے شخص کی امامت دو وجہ سے مکروہ ہے۔ ۱۔ اس پر تا حال اصلاح کا اثر نمایاں نہیں یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ آئندہ اس گناہ کبیرہ سے اجتناب کا اہتمام کرے گا یا نہیں؟ بہت سے حفاظ کی عادت ہے کہ وہ صرف رمضان میں قرآن سنانے کے لیے ڈاڑھی رکھتے ہیں پھر بعد میں کٹوا دیتے ہیں۔

۲۔ جن لوگوں کو توبہ کا علم نہیں ان کو مغالطہ ہوگا۔ اور وہ یہ سمجھیں گے کہ ڈاڑھی کٹوانے والا شخص نماز پڑھا رہا ہے، اِس سے نمازیوں میں انتشار و اختلاف پیدا ہوگا۔ لہٰذا ایسے حافظ کو تراویح میں امام بنانے سے احترام کیا جائے۔ [ماخوذ از حسن الفتاوی: ۲۶۲/۳]

تراویح کی نماز میں عام نمازوں کی نسبت ذرا تیز پڑھنے کا معمول تو ہے مگر اتنا تیز پڑھنا کہ الفاظ صحیح طور پر ادا نہ ہوں اور سننے والوں کو سوائے **یعلمون، تعلمون** کے کچھ نہ سمجھ آئے، حرام ہے۔ اِس لیے جو حفاظ اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں وہ نہایت غلط کرتے ہیں، اُن کا پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے، بلکہ اس طرح پڑھنا ثواب کی بجائے موجب وبال ہے۔ [ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل] ایسے حفاظ کی بجائے **الم تر کیف** سے تراویح پڑھ لینا بہتر ہے۔

اجرۃ طے کر کے تراویح پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور ایسے حافظ کے پیچھے تراویح مکروہ تحریمی ہے۔

(واللّٰہ اعلم بالصواب)

☆......☆......☆......☆

مولانا فضل محمد یوسف زئی مدظلہم قسط:۲

معتمد اور غیر معتمد تفاسیر کا جائزہ

تفسیر میں ہر مفسر کا اپنا رجحان ہوتا ہے:

قرآن عظیم کی تفاسیر کی دنیا میں واقعی اس امت کے علماء نے بے انتہاء محنت فرمائی ہے اور امت کے سامنے تفسیری روایات کو جمع فرمایا ہے اور سند کے حوالہ سے ہر خاص وعام کے لیے ہر روایت کے ساتھ سند لکھدی گئی ہے اور حوالہ بھی دیا ہے، اب بات صاف ہوگئی کہ اگر سند قوی ہے تو کلام قوی ہے اگر سند کمزور ہے تو کلام کمزور ہے، اگر سند میں کوئی وضاع راوی آیا ہے تو کلام موضوعی ہے، علمی میدان ہے ہر طرف راستے کھلے ہیں، چھان پھٹک کا موقع سب کے لیے ہے، اسی وجہ سے تفسیری روایات میں علماء نے چھان بین کی ہے صحیح اور غیر صحیح روایات کی نشاندھی کی ہے، لہٰذا کسی غلط روایت کے آنے سے تمام روایات کو مسترد کرنا نہ علم ہے اور نہ انصاف ہے اور نہ علماء کا یہ طرز ہے۔ اگر احادیث اور صحیح روایات کو چھوڑ کر قرآن کریم کی تفسیر کسی نے شروع کردی تو وہ تفسیر بالرائے کی وعید شدید کا مستحق ٹھہرے گا اور ان کی تفسیر میں تفسیر کا ذوق بالکل نہیں ملے گا، نہ مزہ آئے گا، بلکہ قرآن کی اس طرح خودساختہ تفسیر سے قاری یہ محسوس کرے گا کہ وہ آج کل کی لکھی ہوئی انجیل کی بے مقصد کہانیاں پڑھ رہا ہے۔

بہرحال حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ "یتیمة البیان فی شیء من علوم القرآن" میں فرماتے ہیں کہ ہر برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر مفسر نے اسی تناظر میں قرآن عظیم کی تفسیر میں غور وحوض کیا ہے۔ پس جس کا جو قلبی رجحان اور میلان اور قلبی شغف ومحبت تھی اس نے علمی میدان میں اسی کا مظاہرہ کیا، چنانچہ ایک محدث مفسر کا طریقۂ کار روایات کو اکٹھا کرنا اور اس میں بحث کا موقع فراہم کرنا ہوتا ہے، لہٰذا اس نے ایسا ہی کیا جس طرح ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں طریقہ اختیار کیا ہے اور جلال الدین سیوطی نے ''**الدر المنثور**'' میں بھی یہی طرز واسلوب اختیار کیا ہے۔

اسی طرح فقہی مسائل کا ذوق رکھنے والے مفسر نے فقہی مسائل کے استنباط واستخراج کی طرف زیادہ توجہ دیدی ہے جیسے امام قرطبی رحمہ اللہ نے تفسیر قرطبی میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ اسی طرح نحوی مفسر نے نحوی رجحان کو ذکر کیا ہے اور قرآن عظیم کے اعراب اور الفاظ قرآن کی تراکیب اور نظم قرآن کے سمندر میں غوطے لگائے، جس طرح ابوحیان نحوی نے اپنی تفسیر ''**اَلْبَحْرُ الْمُحِیْط**'' اور ''**النھر**'' میں اپنے نحوی

رجحان پر تفسیر لکھی ہے۔اسی طرح علم بلاغت سے شغف رکھنے والے مفسر نے قرآن عظیم کے اطناب وایجاز میں پوشیدہ رازو اعجاز کو ظاہر کرنے میں شوق دکھایا ہے، جیسے علامہ جارُاللہ زَمَـخشَـرِی نے تفسیر کشاف میں اورابوسعود نے ''الارشاد''میں یہ طریقہ کار اپنایا ہے۔

علم کلام سے شغف رکھنے والے متکلم مفسر نے علم کلام کو اپنی جولانگاہ کا میدان قرار دیا ہے، جیسے امام رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مفاتیح میں یہی منہج اختیار کیا ہے،لیکن ساتھ ساتھ ان مفسرین نے قرآن عظیم کے آفاقی علوم کو بھی مکمل طور پر جاری رکھا ہوا ہے، اسی طرح ایک منطقی مفسر کے مدنظر قرآن عظیم میں قیاس کی ترتیب اور حدود اور رُسوم سے متعلق بحث رہتی ہے، جس طرح ابن سینا نے سورت اخلاص کی تفسیر میں یہ طریقہ اپنایا ہے جدید فلسفہ کے شوق رکھنے والے مفسر کا مطمح نظر کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات عنصری عجائبات اور طبعی غرائب کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش ہوتی ہے۔ وہ اسی کو بیان کرتا ہے جیسے مصر کے علامہ جوھری طنطاوی نے اپنی تفسیر کو فلکیات اور عنصریات اور طبعی عجائبات سے اتنا بھر دیا ہے کہ بادی النظر میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ قرآن عظیم تو اسی کے لیے نازل ہوا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب وہ کامل و مکمل اور جامع کتاب ہے جو ناپید کنار سمندر سے بڑھ کر ہے اور اس کی علمی امواج اس طرح ٹھاٹھیں مار رہی ہیں کہ ہزار ہا سمندروں کی موّاجی اس کے سامنے ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہے۔خلاصہ یہ کہ جس مفسر نے قرآن کو جس زاویہ سے دیکھا اس نے اسی میں قرآن کی خدمت کی گویا ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَ حُسْنُکَ وَاحِد
وَ کُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الْجَمَالِ یُشِیْر

خود قرآن کا اعلان ہے کہ:قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا. (سورۃ کہف) دوسری آیت:وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْم. (سورۃ لقمان)

اسی طرح 'اتقان' میں علامہ سیوطی نے ابن ابی الدنیا کا یہ قول نقل کیا ہے: عُلُومُ الْقُرآن وَمَا يستنبط مِنْهُ بَحْر لا سَاحِلَ لَهُ' ترجمہ:''قرآن کے علوم اور اس سے مستنبط وسیع وعریض مسائل وہ سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔

حق اور سچ یہ ہے کہ ایک کمزور و کمتر مخلوق بزرگ و برتر اور طاقتور خالق کی کتاب کا حق ادا نہیں کرسکتا

ہے۔مفسر کبیر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی قبر پر جو شعر لکھا ہوا ہے اس میں اسی عاجزی کا اقرار ہے ؎

مَا لِلتُّرَابِ وَ لِلْعُلُوْمِ وَاِنَّمَا
یَسْعٰی لِیَعْلَمَ اَنَّہٗ لَایَعْلَمُ

ترجمہ: ''مٹی اور خاک کی علوم کے ساتھ کیا نسبت ہے اس کی محنت وکوشش تو یہی ہے کہ بے علمی کا اقرار کرے۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد اب تفسیر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور اس سے متعلق مباحث کو ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

تفسیر کی لغوی تعریف علامہ سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن میں اس طرح لکھی ہے: التفسیر (تفعیل) مِنَ الفسر وَھُوَ البَیَانُ وَالْکَشْف. (اتقان: ۴۸۶/۲) یعنی تفسیر تفعیل کے وزن پر ہے یہ فسر سے ہے جو بیان، وضاحت اور کھولنے کے معنی میں ہے۔

علامہ صابونی رحمہ اللہ نے تفسیر کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی ہے: **عِلْمٌ یُعْرَفُ بِہٖ فَھْمُ کِتَابِ اللّٰہِ الْمُنَزَّلِ عَلٰی نَبِیِّہٖ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَیَان مَعَانِیْہِ وَاسْتِخْرَاجُ اَحْکَامِہٖ وحکمه.** (التبیان فی علوم القرآن: ۸۹)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں تفسیر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف یوں کرتے ہیں: ''عربی زبان میں ''تفسیر'' کے لفظی معنی ہیں ''کھولنا'' اور اصطلاح میں علم تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآن کریم کے معانی بیان کئے جائیں، اور اس کے احکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے۔(البرہان)

تفسیر اور تاویل میں فرق:

تفسیر اور تاویل کے بارے میں علامہ سیوطی نے اتقان میں بہت کچھ لکھا ہے چند عبارات پیش خدمت ہیں جس سے تفسیر اور تاویل میں فرق واضح ہو جاتا ہے فرماتے ہیں:

وَالتَّاوِیْلُ اَصْلُہٗ مِنَ الْاَولِ وَھُوَ الرُّجُوْعُ فَکَاَنَّہٗ صرف الآیة اِلٰی مَا تَحْتَمِلُہٗ مِنَ الْمَعَانِیْ. [اتقان: ۴۸۶/۲] ''تاویل دراصل اَوْل سے ماخوذ ہے جو رجوع کے معنی میں ہے گویا تاویل آیت کو ان معانی کی طرف موڑ دیتی ہے جس کا احتمال آیت میں ہوتا ہے۔

واختلفَ فِی التَّفْسِیْرِ وَالتَّاوِیْل فَقَال اَبُوعُبید وَطَائفة ھُمَا بمعنیً. ''یعنی ابو عبید اور علماء

کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ تفسیر اور تاویل مترادف الفاظ ہیں معنی میں دونوں ایک ہی ہیں۔

وَقَالَ الرَّاغب التَّفسِیر اَعمّ مِن التَّاوِیل وَاکثر اِستعمال التَّفسیر فی الاَلفَاظِ ومفرداتھا و أکثر استعمال التَّاویل فِی الُمعانی والُجمل. ترجمہ: ''امام راغب فرماتے ہیں کہ تفسیر تاویل سے عام ہے تفسیر کا اکثر استعمال قرآن کے مفرد الفاظ میں ہوتا ہے اور تاویل کا زیادہ استعمال قرآن کے جملوں اور معانی میں ہوتا ہے۔

وَقَالَ غیُره التَّفسِیر بَیَان لَفظ لَایَحتَمِلُ اِلّا وجھًا وَاحداً والتَّاوِیلُ تَوجِیہُ لَفظٍ متوجه اِلٰی معان مُختلفَة اِلٰی واحد منھا بما ظھر من الأدلة. [اتقان:۴۸۶/۲]

وقال غیره التفسیر یتعلق بالروایة والتاویل یتعلق بالدرایة.[اتقان:۴۸۸/۲]

ان تمام عبارات کا مطلب اور خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی کسی آیت کے ظاہری مطلب کے بیان کرنے سے متعلق ہوتی ہے جس میں ایک ہی احتمال اور مطلب ہوتا ہے لیکن تاویل کسی آیت کے کئی مطالب ومعانی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا نام ہے گویا تفسیر ظاہر آیت پر جاتی ہے اور تاویل آیت کے باطنی مفاہیم پر جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ تاویل تفسیر سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، یہ بھی قرآن کی تفسیر ہی ہے لیکن اس کا تعلق تحقیق وتدقیق سے ہوتا ہے عام ذہنوں میں یہ بات آتی ہے کہ تاویل کوئی غلط رخ اختیار کرنے کا نام ہوتا ہے ایسا نہیں ہے ہاں تفسیر بالرائے کے الفاظ جب آجائیں تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے قرآن کی تفسیر کے معروف طریقہ کو چھوڑ کر اپنے خیال میں اپنی رائے اور اپنے رخ پر چلنے کا راستہ اختیار کیا ہے شریعت میں یہ جائز نہیں چنانچہ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

تفسیر بالرائے کرنے والوں کے لیے وعیدِ شدید:

ابوداؤد، نسائی اور ترمذی میں تفسیر بالرائے کرنے والوں سے متعلق ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''مَنۡ تَکَلَّمَ فِی الۡقُرۡآنِ بِرَأۡیِهٖ فَاَصَابَ فَقَدۡ اَخۡطَأَ'' (رواہ ابوداؤد وترمذی ونسائی)[اتقان سیوطی] ترجمہ: ''جس شخص نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کلام کیا تو باوجود صحیح تفسیر کرنے کے اس شخص نے غلطی کی۔

ایک اور حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ''مَنۡ قَالَ فِی الۡقُرۡآنِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ فَلۡیَتَبَوَّأۡ مَقۡعَدَهٗ مِنَ النَّارِ'' ترجمہ: ''جس شخص نے قرآن کی تفسیر میں بغیر علم کے کچھ کہا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے''۔

ایک اور حدیث میں الفاظ اس طرح ہیں ''مَنۡ قَالَ فِی الۡقُرۡآنِ قَوۡلاً یَعۡلَمُ اَنَّ الۡحَقَّ غَیۡرُهٗ

فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ ''۔ترجمہ:''جس شخص نے قرآن کی تفسیر وتوضیح میں حق کے خلاف رائے زنی کی جبکہ وہ جانتا ہے کہ حق اس کے علاوہ ہے تو یہ شخص اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے''۔

مذکورہ بالا احادیث کو حضرت سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف لطیف یتیمة البیان میں ذکر فرمائی ہیں اور اس کا مطلب بھی بحوالہ علامہ سیوطی بیان کیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے مفسر کی شرائط اور تفسیر بالرائے کے عنوان کے تحت جو تحقیق فرمائی ہے اس کو مکمل نقل کیا جائے چنانچہ انہوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے۔

مفسر کی شرائط اور تفسیر بالرائے:

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''امام سیوطی فرماتے ہیں کہ: اس بات میں علماء کرام کی دو آراء ہیں کہ آیا ہر شخص کے لیے قرآن کریم میں غور وفکر کر کے ازخود تفسیر بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱)......ایک جماعت تو کہتی ہے کہ کسی شخص کو قرآن کریم کی کسی آیت وجزء کی تفسیر کرنا روا نہیں، چاہے وہ بڑا ادیب اور ادلۂ شرعیہ، علم فقہ، علم نحو، علم اخبار وآثار میں خوب رسوخ رکھتا ہو، سوائے اس کے کہ وہ صرف وہ تفسیر بیان کرے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو۔

(۲)......اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کرنا ہر اس شخص کے لیے جائز ہے جو ان پندرہ علوم میں کامل رسوخ رکھتا ہو، جن کی مفسر کو احتیاج ہوا کرتی ہے، وہ پندرہ علوم یہ ہیں:

۱_علم لغت	۲_علم نحو	۳_علم صرف	۴_علم اشتقاق
۵_علم معانی	۶_علم بیان	۷_علم بدیع	۸_علم قرأت
۹_علم فقہ	۱۰_علم قصص	۱۱_علم اصول فقہ	۱۲_علم اسباب نزول

۱۳_علم اصول دین (علم کلام) ۱۴_علم ناسخ ومنسوخ ۱۵_علم توضیح مجمل ومبہم۔

اور ان سب سے بڑھ کر وہبی علم جو اللہ رب العزت عاملین علماء کو الہام والقاء کے ذریعے مرحمت فرماتے ہیں، جس کی جانب حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اشارہ بھی وارد ہوا ہے کہ: **مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ يُورِثْهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ.** ترجمہ: جو شخص اپنے علم پر عمل کرے، اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا علم اسے مرحمت فرمادیں گے جن کو وہ نہیں جانتا۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے کہ: مندرجہ بالا پندرہ علوم مفسر کے لیے تفسیر میں ہتھیار کی مانند ہیں اور ان کو حاصل کیے بغیر کوئی شخص مفسر بن ہی نہیں سکتا، چنانچہ جو شخص ان علوم پر

کامل دسترس حاصل کیے بغیر تفسیر کرتا ہے، وہ تفسیر بالرائی کا ارتکاب کرنے والا ہوگا، جس سے احادیث مبارکہ میں ممانعت وارد ہوئی ہے، اس کے مقابلے میں ان علوم میں رسوخ رکھنے والا تفسیر بالرائے کا مرتکب نہ ٹھہرے گا۔

راقم الحروف (سید یوسف بنوریؒ) عرض گذار ہے کہ ان دونوں فریق میں تطبیق اور پہلے قول کو دوسرے کے مانند ٹھہرا کر ان میں جمع وتوفیق چنداں مشکل نہیں، کیونکہ جو تفسیر صحیح سند سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور اسی طرح کی کوئی اور حدیث اس کے معارض ومقابل نہ ہو تو وہ تفسیر ہر دو فریق کے نزدیک متعین ومقرر ہوگی اور اگر کوئی تفسیر صحیح سند سے ثابت نہ ہو اور وہ مقام تفسیر وتوضیح کا محتاج ہو اور وہ متشابہات میں سے بھی نہ ہو جن پر اجمالی ایمان تو ضروری ہوا کرتا ہے، لیکن اس کی حقیقت اور تفصیل اللہ جل شانہ کے سپرد کر دی جاتی ہے اور نہ ہی ایسا مشکل ومبہم ہو کہ گو متشابہات میں سے نہ ہو، لیکن متشابہات کے مانند ہو گیا ہو کہ غور وفکر سے اس کے معنی واضح نہ ہو سکتے ہوں بلکہ صرف اہل علم ہی اس کے صحیح معنی ومفہوم تک رسائی حاصل کر سکتے ہوں اور اہل زبان ہی اس کے درست مصداق کو سمجھتے ہوں، تو اس جگہ کوئی کلام کرنا صرف ایسے عالم کے لیے جائز ہوگا جو مذکورہ بالا پندرہ علوم میں کامل رسوخ اور مہارت تامہ رکھتا ہو۔ (بہرحال تفسیر کتاب اللہ جائز ہے) اس لیے کہ اللہ رب العزت کی یہ مقدس کتاب جو لوگوں کے لیے نصیحت اور ان تمام امراض کے لیے جو سینوں میں چھپے ہیں، شفا کا پیام ہے وہ کیونکر آسمان وزمین کے مابین یوں معلق رہ سکتی ہے کہ اس کا معنی کسی کو سمجھ نہ آئے؟ حالانکہ باری تعالیٰ کا خود فرمانِ عالی شان ہے: **''لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ.''** جب کہ اگر اس مقام پر قول اول سے اس کا سطحی معنی لیا جائے کہ استنباط واستخراج سے کچھ علم حاصل ہو ہی نہیں سکتا ہے تو قرآن کا بیشتر حصہ غیر معلوم ٹھہرے گا۔ بہتر بات یہی ہے کہ ان دونوں اقوال کو ایک مدار میں مرتکز کر دیا جائے، اس طرح معاملہ آسان اور لچک دار ہو جائے گا اور ان دونوں فریق کے مابین یہ اختلاف پاٹنے میں مدد ملے گی۔ مذکورہ جمع وتطبیق کے بیان میں علامہ زرکشی کا یوں فرمانا: میری تائید کرتا نظر آتا ہے، کہ قرآن کریم دو حصوں پر مشتمل ہے: ایک حصہ تو وہ ہے جس کی تفسیر نقلاً بیان کی جائے اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کی تفسیر کے متعلق نقلی روایات وارد نہیں ہوئیں، پھر پہلے حصے کی تفسیر یا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام یا کبار تابعین سے منقول ہوگی، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول تفسیر ہو تو اس میں سند کی صحت سے بحث کی جائے گی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے منقول تفسیر میں دیکھا جائے گا کہ اگر وہ تفسیر لغوی اعتبار سے بیان کی گئی ہے تو چونکہ وہ اہل زبان تھے، اس لیے اس تفسیر پر اعتماد کیا جائے گا یا وہ تفسیر اسباب

وقرائن کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے مشاہدہ کے پیش نظر ہوگی تب بھی اس تفسیر کی قبولیت میں شک نہ ہوگا۔ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ اگر صحابہ کرام کی تفاسیر میں بظاہر اختلاف وتعارض واقع ہو رہا ہو تو اگر جمع وتطبیق ممکن ہو تو جمع وتطبیق کی صورت نکالی جائے گی اور اگر جمع وتطبیق ممکن نہ ہو تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تفسیر مقدم کی جائے گی، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحت تاویل کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''**اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ التَّأْوِيْل**'' اے اللہ! ان کو تاویل قرآنی کا علم مرحمت فرما۔

تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے؟

''**مَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهٖ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ**''۔ ترجمہ: ''جس نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کلام کیا تو باوجود صحیح تفسیر کرنے کے اس نے غلطی کی''۔

جان لینا چاہیے کہ مذکورہ بالا حدیث میں ممنوعہ تفسیر بالرائے کی تشریح وتوضیح میں علماء کرام کی آراء مختلف ہیں کہ اس تفسیر بالرائے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد مبارک کیا ہے؟ یہ الفاظ نسائی، ابوداؤد، اور ترمذی کے ہیں، جبکہ ایک روایت میں ''**من قال**'' اور ایک دوسری روایت میں ''**مَنْ فَسّر الْقُرآن**'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

''**مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ**''. ترجمہ: ''جس نے قرآن کریم میں بغیر علم کے کچھ کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

اسی طرح اس حدیث کے متعلق بھی علماء کرام کا اختلاف ہے کہ اس میں تفسیر بدون علم سے کیا مراد ہے؟ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے نقل فرمایا ہے۔ پہلی حدیث کی صحت کے متعلق علماء کرام نے بحث فرمائی ہے اور جب بعض قرائن سے اس کی صحت ثابت ہوئی، تب علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: اس رائے سے مراد ''واللہ اعلم'' وہ رائے ہے جو بغیر کسی دلیل کے قائم کی جائے۔ البتہ جو رائے برہان ودلیل سے مؤید ہو، وہ رائے جائز ہے اور حدیث مذکور کے اس ٹکڑے:

''**فأصاب فَقَدْ أخطأ**'' (اگر درست تفسیر بھی بیان کرلے، تب بھی اس نے غلطی کی) کا مطلب امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''المدخل'' سے یوں نقل فرمایا ہے کہ: اگرچہ اس نے تفسیر میں درست تو کہا لیکن اس صحیح رائے زنی کے لیے جو طرز وطریقہ اس نے اختیار کیا، اس میں اس سے خطا ہوئی، اس لیے کہ صحیح طرز تو یوں تھا کہ سب سے پہلے اس کے الفاظ کی تفسیر کے لیے اہل زبان کی طرف رجوع کرتا، پھر اس کے ناسخ ومنسوخ اور سبب نزول کے متعلق تأمل وتفحص کرتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے قرآن کریم کی وحی کے زمانہ کا مشاہدہ کیا ہے اور ہم تک وہ سنن واحادیث نقل فرمائی ہیں جو کلام اللہ کی تفسیر وتشریح میں مدد کرتی ہیں، ان کے

اقوال واخبار میں جس مقام کی وضاحت مطلوب ہو، اس کے متعلق غور وفکر کرتا یا پھر اس رائے سے مراد اس شخص کی رائے ہے جو علوم کے اصول وفروع جانے بغیر محض اپنی اٹکل سے رائے زنی کرے۔ چنانچہ اس کی درست بات سے اگر چہ موافقت بھی ہو جائے گی، لیکن چونکہ وہ اس درست اور صواب رائے سے ناواقف بھی ہے تو محض اٹکل سے رائے زنی کچھ سود مند اور قابل تعریف نہ ہوئی۔

اور دوسری حدیث کے متعلق علامہ انباری رحمہ اللہ کے بیان کردہ معانی میں سے ایک یہ ہے کہ:
مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ قَوْلاً يَعْلَمُ أَنَّ الْحَقَّ غَيْرُهُ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ . یعنی جس شخص نے قرآن کی تفسیر وتوضیح میں حق کے خلاف رائے زنی کی، باوجودیکہ حق کو جانتا ہو تو یہ شخص اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

امام سیوطی نے ’’الاتقان‘‘ میں لکھا ہے کہ: ابن نقیب حنفیؒ فرماتے ہیں کہ تفسیر بالرأی کے متعلق علماء کرام سے پانچ اقوال منقول ہیں:

۱......جو علوم تفسیر قرآن کے لیے بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو حاصل کیے بغیر تفسیر قرآن بیان کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ علوم تفسیر کے لیے بمنزلہ شرائط کے ہیں اور ان کے حصول اور ان میں رسوخ کے بغیر تفسیر قرآن جائز نہیں ہے۔

۲......متشابہات کی تفسیر جن کا حقیقی علم صرف خدائے واحد کو ہے اس کی تفسیر کرنا تفسیر بالرأی ہے۔**قال السیوطی فی الاتقان الثانی تفسیر المتشابه الذی لایعلمه الا الله .** [الاتقان:]

۳......مذہب فاسد کے مطابق تفسیر کرنا، بایں طور کہ مذہب کو اصل اور تفسیر کو تابع بنا دیا جائے جس طرح ممکن ہو اگر چہ تفسیر ضعیف بھی ہو، اس کو لے کر مذہب فاسد کے موافق کر دیا جائے۔

۴......بغیر کسی دلیل کے قطعی طور پر کسی تفسیر کو خدائے قدوس کی مراد ٹھہرا دینا۔

۵......اپنی خواہش وہوس کے پیش نظر تفسیر بیان کرنا۔

راقم الحروف سید بنوری کہتا ہے کہ اس موقع پر قول فیصل وہ ہے جو امام خازن رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے اور ہمارے استاذ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے بھی اس قول کو پسند فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اپنی رائے سے تفسیر کرنے کے متعلق جو ممانعت احادیث میں وارد ہوئی ہے، یہ ممانعت اس شخص کے حق میں ہے جو اپنے جی کی مراد اور اپنی من چاہی تاویل وتفسیر بیان کرتا ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ شخص یا تو علم رکھتا ہوگا یا نہیں؟ اگر علم رکھتا ہے تو یہ اس شخص کی طرح ہوگا جو قرآن کی

بعض آیات کو لے کر اپنی کسی بدعت کی درستگی اور استناد کے لیے دلیل بنا کر پیش کرتا ہے، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ آیت کی مراد کچھ اور ہے، لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنی بدعت کی تصحیح کے لیے آیت کے ذریعے اپنی دلیل کو قوی قرار دے کر مخالف فریق کو التباس و پریشانی میں مبتلا کر دے، جیسا کہ فرقۂ باطنیہ، خوارج اور دیگر بدعتی فرقوں نے اپنے فاسد مقاصد کی تکمیل کے لیے یہ وطیرہ استعمال کیا، تا کہ لوگوں کو دھوکہ وفریب میں مبتلا کریں، اور اگر قرآن میں یہ رائے زنی بغیر علم کے محض جہالت سے ہو، بایں طور کہ آیت بہت سی وجوہ واسباب کا احتمال رکھتی ہو اور وہ شخص قرائن سے صرف نظر کر کے ان وجوہ محتملہ کے علاوہ آیت کی کسی اور وجہ سے تفسیر وتشریح کرے، یہ دونوں طرز، غلط اور قابل مذمت ہیں۔ اور یہ دونوں اس ممانعت اور وعید میں داخل ہیں جو قرآن میں رائے زنی کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

اور وہ جو طرز تاویل جس کی تفصیل یوں ہے کہ استنباط واجتہاد سے آیت کو اس کے مطابق معنیٰ کی طرف پھیر دیا جائے۔ اور آیت کا سیاق وسباق اس معنیٰ کا احتمال بھی رکھتا ہو۔ اسی طرح یہ معنیٰ قرآن وسنت کے مخالف بھی نہ ہو، اس کے بارے میں علماء کرام نے گنجائش فرما رکھی ہے۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کی تفسیر بیان فرمائی اور اپنی تفسیری روایات میں ان کے درمیان اختلاف بھی واقع ہوا، اور یہ بات بھی نہ تھی کہ تمام صحابہ کرام صرف وہی تفسیر کرتے ہوں، جو انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو، بلکہ جتنا وہ سمجھتے اور لغوی معنیٰ ومفہوم کو جانتے، اس کے بقدر تفسیر بھی فرمایا کرتے تھے (اور یہی تاویل ہے) اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے باقاعدہ یوں دعا فرمائی: ''**اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِیْل** ''۔ اسی بنا پر صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ تفسیری روایات انہی کی منقول ہوئی ہیں۔

ہمارے شیخ استاذ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری کی ''**أمالی**'' [فیض الباری: ۱۵۰/۴] میں یوں فرمایا ہے کہ: اگر کسی شخص کی اپنی رائے کے مطابق بیان کردہ تفسیر سے کوئی متفق ومجمع علیہ مسئلہ متغیر نہ ہوتا ہو، اسی طرح سلف صالحین کے متفقہ عقائد میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوتی ہو تو ایسی تفسیر اس ممنوع تفسیر بالرأی کے ضمن میں شمار نہ ہوگی۔ البتہ اگر کسی متفقہ متواترہ مسئلہ میں تغیر آجائے یا مقررہ عقیدے میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہو، تب یہ تفسیر، ممنوعہ تفسیر بالرأی میں شمار کی جائے گی۔ نیز ایسی رائے زنی کرنے والا جہنم کا مستحق ہوگا۔ یہ بات کہ تفسیر، تفسیر بالرأی کے زمرے میں داخل نہ ہو، اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ مفسرین کرام کے طرز طریق سے خوب واقفیت حاصل نہ کر لی جائے۔ (بحوالہ اصول تفسیر وعلوم القرآن، ترجمہ یتیمۃ البیان: ۶۹ تا ۷۵)

(جاری ہے۔۔۔۔) ☆☆☆☆☆

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب — مفتی رب نواز حفظہ اللہ

امکانِ کذبِ باری تعالیٰ اور آلِ غیر مقلدیت

قسط:۱

زبیر علی زئی:

رب نواز دیوبندی اور امکانِ کذب باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں آلِ دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ امکانِ کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔(دیکھئے تالیفاتِ رشیدیہ ص ۹۸، علمی مقالات ج ۴ ص ۴۲۷)

رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے:

''پس ثابت ہوا کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ جل وعلیٰ ہے کیوں نہ ہو وھو علی کل شیء قدیر ط''(تالیفاتِ رشیدیہ ص ۹۹)

الجواب:

۴۰۰

علی زئی صاحب کی تحریروں کے کچھ نمونے:

مضمون کا جواب لکھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ قارئین کو علی زئی صاحب کی تحریروں کے کچھ نمونے دکھا دیئے جائیں۔

تضاد بیانیاں:

محمد خبیب اثری صاحب غیر مقلد نے علی زئی صاحب کے متعلق لکھا:

''ملحوظ رہے کہ شیخ کی اصولی و منہجی غلطیوں کے علاوہ جزوی اغلاط بھی موجود ہیں بلکہ وہ تناقض کا بھی شکار ہو جاتے ہیں!''[ہفت روزہ الاعتصام:۱۰ر جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ:۱۵]

(۱)......ایک صاحب نے علامہ سیوطیؒ کو''امام'' کہا۔علی زئی صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حاطب اللیل کو امام قرار دینا بھی اعجوبہ ہے۔''[علمی مقالات:۶/۴۰۲]

لیکن کئی مقامات میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ کو وہ خود ہی''امام'' کہتے ہیں۔

چنانچہ لکھتے ہیں: ''امام سیوطی''[مقدمہ جزرفع الیدین:۱۹]

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''امام سیوطی کے بقول...'' [اوکاڑوی کا تعاقب: ۲۷]

کفایت اللہ سنابلی صاحب غیر مقلد نے علی زئی صاحب کے اس تناقض سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا:

''سر پیٹ لینے کی بات تو یہ ہے کہ خود زبیر علی زئی صاحب نے بھی دیگر مقامات پر بقلم خود سیوطی کو ''امام'' لکھ رکھا ہے۔'' [حدیثِ یزید محدثین کی نظر میں: ۱۳۷]

(۲)......علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

سفیان ثوری، سلمہ بن کہیل سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔'' [توضیح الاحکام: ۳۳۶/۱]

اس طرح کی بات انہوں نے دیگر کتابوں میں لکھی ہے۔

[علمی مقالات: ۵۵۴/۵، نور العینین: ۱۲۸، القول المتین: ۲۴]

لیکن انوار الصحیفة: ۱۹۶ میں مذکور روایت سألت أبی بن كعب عن النبیذ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اسناده ضعیف، سفیان الثوری عنعن.''

حالانکہ سفیان نے اسے سلمہ سے روایت کیا ہے۔ محمد خبیب اثری صاحب غیر مقلد نے اسے علی زئی صاحب کا تناقض قرار دیتے ہوئے لکھا:

''ثوری، سلمہ بن کہیل سے بیان کرتے ہیں۔ مولانا کے اپنے اصول کے مطابق ...روایت صحیح قرار پاتی ہے، لہٰذا اس کی بابت ''اسناده ضعیف'' کہنا تناقض ہے۔''

[ہفت روزہ الاعتصام: ۱۰ جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ: ۱۶]

(۳)......علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''تنبیہ: مروجہ غنیۃ الطالبین کے نسخے کی صحیح و متصل سند میرے علم میں نہیں ہے۔''

[توضیح الاحکام: ۴۲۱/۲]

مگر اس کتاب سے استدلال بھی کیا۔ [بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم: ۵۸]

استدلال کرنے کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں:

''یاد رہے کہ غنیۃ الطالبین عبد القادر جیلانی کی کتاب ہے۔'' [توضیح الاحکام: ۷۳/۳]

(۴)......ایک طرف علی زئی صاحب نے دعویٰ کیا:

''ایک محدث بھی مقلد نہ تھا۔'' [اوکاڑوی کا تعاقب: ۵۲]

دوسری طرف محدث ابن الصلاح رحمہ اللہ کو ''تقلیدی'' کہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ابن الصلاح (تقلیدی) نے عامی (مقلد) کے بارے میں لکھا ہے ''فان کان شافعیا لم

یکن لہ ان یستفتی حنفیا و لا یخالف امامہ ''پس اگر وہ شافعی ہے تو اسے حنفی سے مسئلہ نہیں پوچھنا چاہیے اور اپنے امام کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔(ادب المفتی و المستفتی: ۸۷ مکتبہ شاملہ) ابن الصلاح کے بارے میں اور بھی کئی باتیں ہیں۔'' [علمی مقالات:۱۵۴/۶]

مزید لکھتے ہیں:

''کیا وہ ابن الصلاح (تقلیدی) کے منہج پر ہیں۔'' [علمی مقالات:۴۰۷/۶]

دونوں جگہ قوسین میں ''تقلیدی'' لفظ بھی علی زئی صاحب کا تحریر شدہ ہے۔

(۵)......علی زئی صاحب نے یعقوب قمی کو 'ثقہ' قرار دیتے ہوئے لکھا:

''(۴) جریر بن عبدالحمید اسے مومن آل فرعون کہتے تھے۔

[تعدادِ رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ:۱۹]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''تنبیہ: ابوالشیخ الاصبہانی اور ابونعیم اصبہانی دونوں نے بغیر کسی سند کے جریر (بن عبدالحمید) سے نقل کیا ہے کہ وہ جب یعقوب القمی کو دیکھتے تو فرماتے: ''ھذا مؤمن آل فرعون'' یہ آلِ فرعون میں سے مومن ہے۔(طبقات المحدثین باصبھان : ۳۴/۲، ت ۸۶، اخبار اصبہان:۳۵۱/۲) یہ قول بے سند ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں۔'' [علمی مقالات:۱۴۵/۶]

(۶)......علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''مگر کسے معلوم تھا کہ ایک ایسا دَور آنے والا ہے جب مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلنے والے بدعتی صحیحین (بخاری و مسلم) کی احادیث اور راویوں پر اندھادھند حملے کریں گے۔'' [نور العینین :۳۲]

لیکن لگے ہاتھوں بخاری کے روایوں پر جرح بھی کردیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

''اُسید بن زید بن نجیح الجمال الکوفی یہ راوی واقعی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن اس کی صحیح بخاری میں صرف ایک حدیث ہے۔(ح ۶۵۴۱)'' [علمی مقالات:۱۹۳/۶]

آگے لکھتے ہیں:

''حسن بن ذکوان البصری: اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا اور وہ مدلس بھی تھا لیکن اس کی صحیح بخاری میں صرف ایک حدیث ہے۔(۶۵۶۶)'' [علمی مقالات:۱۹۳/۶] مزید دیکھئے ہماری اسی کتاب کا حاشیہ:ا

محمد خبیب اثری صاحب غیر مقلد نے علی زئی صاحب کی تضاد بیانیوں کو ذکر کر کے لکھا:

''کیا یہ اُصول شکنی نہیں؟ حالانکہ وہ خود [علی زئی صاحب (ناقل)] لکھتے ہیں: ''اپنے ہی اُصول

توڑکر پاش پاش کر دینا مذہبی خودکشی کی بدترین مثال ہے۔'' (فتاویٰ علمیہ ۳/۳۸۲)''

[الاعتصام: ۱۸/ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ: ۱۸]

فتاویٰ علمیہ والی مذکورہ عبارت ''علمی مقالات: ۴/۴۸۸'' میں بھی موجود ہے۔

محمد خبیب اثری صاحب غیر مقلد نے اعتراف کر لیا ہے کہ علی زئی صاحب نے ''مذہبی خودکشی کی بدترین مثال'' پیش کی ہے۔

محدثین کی خاطر تواضع:

کفایت اللہ سنابلی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''یہ تو صرف مسئلہ یزید میں محدثین واہلِ علم پر زبیر علی زئی صاحب کی کچھ کرم فرمائیاں تھیں، اس کے علاوہ دیگر مسئلوں میں بھی اپنے خلاف کئی محدثین و اہلِ علم کی زبیر علی زئی صاحب نے اچھی خاصی خاطر تواضع کی ہے۔'' [ندیم ظہیر صاحب کے اعتراضات کا جائزہ، پہلی قسط کا جواب]

منسوخ قرار دینے کے کرشمے:

کفایت اللہ سنابلی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ دو یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چومے۔ زبیر علی زئی نے پاؤں چومنے والی اس ضعیف روایت کو صحیح قرار دیا اس کے بعد اسے منسوخ ثابت کرنے کے لیے جس دُور کی کوڑی لائے اس پر قارئین شاید ہی اپنی ہنسی ضبط کر سکیں، فرماتے ہیں: لیکن دوسری روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاؤں چومنا منسوخ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا...(اضواء المصابیح: ۹۷) سبحان اللہ! کہاں غیر اللہ کو سجدہ کرنا اور کہاں پاؤں چومنے کا عمل۔ اس قدر بعد المشرقین کے باوجود حضرت العلام الفقیہ اسے پاؤں چومنے والی روایت کا نسخ بتلا رہے ہیں۔''

[حدیثِ یزید محدثین کی نظر میں: ۱۶۳]

سنابلی صاحب نے علی زئی فکاہت کا ایک اور نمونہ پیش کرتے ہوئے لکھا:

''اب اگر زوردار قہقہے سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں تو دعوائے نسخ پر شاندار فقاہت کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں: ''آپ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کی مرض وفات میں جب حجاج بن یوسف عیادت کے لیے آیا تو آپ نے آنکھیں بند کر لیں اور حجاج سے کوئی بات نہیں کی حتی کہ وہ چلا گیا۔...معلوم ہوا کہ آپ کا حجاج کے پیچھے نماز پڑھنے کا عمل منسوخ ہے۔'' [مقالات: ۱/۱۳۶] جن کے یہاں نسخ کا اثبات اس طرح کی فقاہت بلکہ فکاہت پر مبنی ہو وہ امام ذہبی رحمہ اللہ کے کلام کو مذکورہ بنیاد پر منسوخ بتلائیں تو یہ ان کا حق

ہے لیکن علمی دنیا میں اس کی حیثیت ایک لطیفہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔'' [حدیثِ یزید محدثین کی نظر میں: ۱۶۳]

تقلید:

علی زئی صاحب نے اپنی تحریروں میں تقلید کو بدعت، ناجائز اور شیطانی کام وغیرہ کہا ہے۔ مگر عملاً تقلید کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

کفایت اللہ سنابلی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''یہاں پر زبیر علی زئی صاحب نے امام ابنِ الصلاح رحمہ اللہ کو 'تقلیدی' کہا ہے جب کہ بعض مقامات پر خود موصوف نے امام ابنِ الصلاح رحمہ اللہ کی اندھی تقلید کی ہے جیسا کہ ہم نے زیادتِ ثقہ والے مضمون میں وضاحت کردی ہے۔'' [حدیثِ یزید محدثین کی نظر میں: ۷]

سنابلی صاحب نے دوسری جگہ علی زئی صاحب کو مخاطب کر کے لکھا:

''آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ ابن القیسرانی رحمہ اللہ کی دوسری کتاب ''منتخب المنثور'' کے محقق کی تقلید میں لکھا ہے۔'' [حدیثِ یزید محدثین کی نظر میں: ۱۱۵]

سنابلی صاحب زیادتِ ثقہ والے مضمون میں لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ امام ابن الصلاح رحمہ اللہ کا بیان ثابت شدہ حقائق کے خلاف ہے، اس لیے اس سے حجت پکڑنا جانتے بوجھتے ہوئے بھی بے دلیل بات کی پیروی کرنا ہے اور اسی کا چیز کا نام ''اندھی تقلید'' ہے۔'' [یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ۲۴۳]

علی زئی صاحب بقلمِ خود لکھتے ہیں:

''راقم الحروف نے... بعض علماء کے اس قول... پر اعتماد کرتے ہوئے ''اسنادہ حسن'' قرار دیا جو کہ قولِ مذکور کے مشکوک ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔'' [علمی مقالات: ۲۰۸/۳]

بلاعنوان:

کفایت اللہ سنابلی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''کیا معلوم کہ زبیر علی زئی صاحب کے حمایتی انہیں یزید سے بھی بہتر سمجھتے ہوں، بلکہ ان کے ایک حمایتی نے تو یہاں تک لکھ دیا: میرے نزدیک حافظ زبیر علی رح کا مقام امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہیں بڑھ کر ہے۔'' [حدیثِ یزید محدثین کی نظر میں: ۵]

کفایت اللہ سنابلی صاحب غیر مقلد نے علی زئی صاحب کی کتاب ''علمی مقالات: ۳۹۶/۶'' کی ایک عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''کیا خوب اور دندان شکن جواب ہے! سمجھ نہیں آتا کہ اس جواب پر ہم اپنا سر پیٹ لیں یا کسی دیوار سے ٹکرا جائیں! جناب کو امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک جرح کا کوئی جواب سجھائی نہیں دیا تو ان کی دوسری جرح اُٹھا کر اس کا جواب لکھ مارا! سبحان اللہ۔'' [حدیثِ یزید محدثین کی نظر میں: ۳۴]

۴۰۱

علی زئی صاحب کا یہ مضمون پہلے ایک رسالہ میں شائع ہوا تھا، بعد میں ان کی کتاب ''علمی مقالات جلد ششم'' میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جب یہ مضمون شائع ہوا اسی وقت علی زئی صاحب کی وفات سے قریبا سوا سال پہلے ہم نے درج ذیل اعلان شائع کرا دیا تھا:

''اعلان: زبیر علی زئی غیر مقلد نے پچھلے ماہ امکانِ کذب کے حوالے سے ایک مضمون لکھا ہے۔ وقت آنے پر ہم اسے متن بنا کر جواب دیں گے۔ ان شاء اللہ...رب نواز احمد پور شرقیہ''

[مجلّہ صفدر: جولائی ۲۰۱۲ء]

علی زئی صاحب کی وفات ۱۰/نومبر ۲۰۱۳ء میں ہوئی۔ [اشاعۃ الحدیث: شمارہ ۱۱۲: ۱۴]

۴۰۲

اللہ تعالیٰ جس طرح ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اسی طرح اپنے دیئے ہوئے حکم کے خلاف کرنے پر بھی اسے قدرت حاصل ہے، وہ مجبور و لاچار نہیں۔ لیکن چونکہ وہ سب سے بڑھ کر سچا ہے، اِس لیے اُس نے اپنے دیئے ہوئے حکم کے خلاف نہ کبھی کوئی کام کیا ہے اور نہ آئندہ کرے گا، البتہ خلاف کرنے پر قادر ضرور ہے۔ اپنے دیئے ہوئے حکم کے خلاف کام کرنے پر اللہ تعالیٰ کو قادر ماننا ''امکانِ کذبِ باری تعالیٰ'' کہلاتا ہے۔

۴۰۳

یہاں ''امکان'' لفظ ہے یعنی ممکن ہونا۔ جو چیز ممکن ہو، لازمی نہیں کہ وہ واقع بھی ہو۔

علی زئی صاحب کے استاذ محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد نے لکھا:

''امکانِ کذب'' سے وقوعِ کذب لازم نہیں آتا۔'' [خیر الکلام: ۳۶۷]

گوندلوی صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''امکان اور وقوع میں جو شخص فرق نہیں کر سکتا اس کو حق نہیں پہنچتا کہ ذات باری تعالیٰ میں بدونِ حجت اور برہان بحث کرے۔ [الاصلاح: ۲۱۱]

رئیس محمد ندوی صاحب غیر مقلد نے بریلوی کی تردید میں لکھا:

''حنفی المذہب دیوبندی...صرف امکان کے قائل ہیں وقوع کذب باری کے قائل نہیں ہیں۔''

[تصحیح العقائد:۱۰۷]

۴۰۴

کسی بریلوی نے لکھا: بعض بدعقیدہ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے۔ غیر مقلدین کے ''امام العصر'' عبداللہ روپڑی صاحب نے اس پر یوں تبصرہ کیا:

''تبصرہ: صاحبِ رسالہ کو لکھنا نہیں آتا۔ مقابلہ کا لحاظ کرتے ہوئے یوں لکھنا چاہیے کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات جھوٹ بولنے پر قادر نہیں، کیونکہ نقائص وعیوب سے پاک تو سب ہی مانتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ''وہ جھوٹ بولنے پر قادر نہیں''، یہ نقص اور عیب ہے۔ اس بناء پر مقابلہ صحیح ہوگیا تو اس کے جواب میں دوسرا فریق کہہ سکتا ہے کہ ''جھوٹ پر قدرت نہ رکھنا، یہ نقص وعیب ہے۔'' اس لیے خدا کی ذات کو اس سے پاک ماننا چاہیے۔ اس صورت میں مقابلہ ایک اور چیز میں ہوگیا۔ یعنی جھوٹ پر قدرت رکھنا، یا قدرت نہ رکھنا، ان دونوں میں سے کون سا ''عیب'' اور کون سا ''کمال'' ہے۔ پس صاحب رسالہ کو اس کا فیصلہ کرنا چاہیے تھا، تاکہ رسالہ پڑھنے والا کسی نتیجہ پر پہنچتا، ویسے لکھنے سے کیا فائدہ؟'' [توحید الرحمٰن:۱۳۶]

روپڑی صاحب کی یہی عبارت ہم علی زئی صاحب کے خلاف پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ علمائے دیوبند کے خلاف یوں دعویٰ کرتے کہ اللہ تعالی کو جھوٹ پر قدرت نہیں۔ ویسے لکھنے سے کیا فائدہ؟

علی زئی صاحب کے استاذ محمد گوندلوی صاحب غیر مقلد ایک بریلوی کی تردید میں لکھتے ہیں:

''شخص مذکور نے امکانِ کذب باری تعالیٰ پر بحث کی ہے، اُس نے اِس مسئلہ کو بالکل سمجھا ہی نہیں، کہتا ہے کہ امکانِ کذب واجب تعالیٰ میں محال وممتنع ہے، اِس کی دلیل یہ دی ہے کہ کیونکہ ایسا عقیدہ حسبِ ذیل آیت کے خلاف ہے: تَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّ عَدۡلًا. [الانعام:۱۱۶/۶] اللہ تعالیٰ کی بات صدق و عدل کے ساتھ پوری ہو چکی ہے، اس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا. [النساء:۸۷/۴] اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون سچا ہے؟ حالانکہ یہ دلیل اپنے دعویٰ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ دعویٰ تو یہ ہے کہ امکانِ کذب محال ہے اور دلیل یہ دے دی کہ کذب کا وقوع نہیں۔ امکان اور وقوع میں جو شخص فرق نہیں کر سکتا اس کو حق نہیں پہنچتا کہ ذات باری تعالیٰ میں بدونِ حجت اور برہان بحث کرے۔'' [الاصلاح:۲۱۱]

علی زئی صاحب مذکورہ کتاب ''الاصلاح'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ کتاب عصرِ حاضر کے عظیم ومحترم اہلِ حدیث علماء کی مساعی جمیلہ کا نچوڑ ہے۔''

[علمی مقالات:۱۰/۴]

افسوس! علی زئی صاحب بھی بریلوی مصنف کی طرح ''بدونِ حجت اور برہان'' بحث کر رہے ہیں۔آپ علی زئی صاحب کا یہ مضمون ''رب نواز دیوبندی اور امکانِ کذب باری تعالیٰ'' اول تا آخر پڑھ جایئے،امکانِ کذب باری تعالی کے خلاف کوئی دلیل یا معارضہ آپ نہیں پائیں گے۔

البتہ دوسری جگہ امکانِ کذب باری کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

''اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے اور وہ تمام بُری صفات سے پاک ہے۔''

(حاشیہ شرح حدیثِ جبریل:۱۲۸)

بریلوی نے دعویٰ امکانِ کذب کے محال ہونے کا کیا اور دلیل وقوعِ کذب کے محال ہونے کی دے دی۔علی زئی صاحب نے بھی ایسے ہی کیا ہے۔بریلوی اور علی زئی صاحبان دونوں ''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا'' کو امکانِ کذب باری کے خلاف پیش کر رہے ہیں حالانکہ علی زئی صاحب کے استاد گرامی محمد گوندلوی صاحب کا اعتراف اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ یہ آیت امکان کی تردید نہیں کرتی بلکہ وقوعِ کذب کے خلاف ہے۔

۴۰۵

قاضی محمد اسلم سیف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولانا رشید احمد گنگوہی ایسے یگانہ روزگار فاضل'' [تحریک اہلِ حدیث تاریخ کے آئینے میں:۳۰۷]

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب حضرت گنگوہی وغیرہ علمائے دیوبند کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ حضرات جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں علیٰ وجہ البصیرت کہتے اور لکھتے ہیں۔'' [فتاویٰ ثنائیہ:۱/۲۶۴]

مولانا ابو محمد عبد الجبار سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''احناف دیوبند کے سرکردہ مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہیں،آپ باوجود صوفی منش ہونے کے عالم محدث بھی تھے۔'' [فتاویٰ ثنائیہ:۱/۳۵۶]

۴۰۶

امکانِ کذب کے حوالے سے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ذات پاک حق تعالیٰ جلالہ کی پاک منزہ ہے اس سے کہ متصف بصفتِ کذب کیا جاوے (معاذ اللہ تعالیٰ!) اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا بھی نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا۔(نساء،آیت ۱۲۲) ترجمہ بات میں کوئی اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا نہیں۔جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ

عقیدہ رکھے، یا زبان سے کہے کہ وہ کذب (جھوٹ) بولتا ہے، وہ قطعاً کافر (و) ملعون ہے، اور مخالف قرآن وحدیث کا اور اجماعِ امت کا ہے، وہ ہرگز مؤمن نہیں: تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ ظالموں کی بات سے بہت ہی اونچا ہے۔ یہ عقیدہ اہلِ ایمان سب کا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مثلاً فرعون وہامان وابی لہب کو قرآن مجید میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے، وہ علم قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرے گا۔ وہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ ان کو جنت دے دے، عاجز نہیں ہوئے گا، قادر ہے، اگرچہ ایسا نہیں کرے گا۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدَاھَا وَ لٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ (الم سجدہ:۱۳) ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو سمجھا دیتے ہر جی کو اس کی راہ، لیکن ٹھیک پڑ چکی ہے میری کہی ہوئی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔ اس آیت سے واضح ہوگیا کہ اگر حق تعالیٰ چاہتا اس کو مؤمن کر دیتا مگر جو فرما چکا ہے اس کے خلاف نہ کرے گا اور سب اختیار سے ہے، اضطرار سے نہیں ہے۔ وہ فاعل مختار فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ ہے، یہ عقیدہ تمام علمائے امت کا ہے۔“ [باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ:۷۰]

۴۰۷

”پس ثابت ہوا“ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے کوئی دلیل ”امکانِ کذب کے اثبات پر مذکور ہے۔...اور وہ یہ ہے:

”ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے قُلْ ھُوَالْقَادِرُ عَلٰی اَنْ یَّبْعَثَ عَذَاباً الایۃ۔ دوسری آیت وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ الایۃ آیتِ ثانیہ میں نفی عذاب کا وعدہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ اگر اس کا خلاف ہو تو کذب لازم آئے گا مگر آیت اولیٰ سے اس کا تحت قدرت باری تعالیٰ ہونا معلوم ہوا۔“

[تالیفاتِ رشیدیہ:۹۹]

اس کے بعد امکانِ کذب کے اثبات پر حدیث سے دلیل دی گئی ہے اور وہ یہ ہے:

”احادیث کو دیکھئے کہ عشرہ مبشرہ مثلاً بالیقین جنتی بارشادِ نبی ہیں جو حقیقۃً وحی الٰہی جل وعلیٰ ہیں ہو چکے پر چونکہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ خدا پاک مجبور نہیں ہے اس لیے نظر بہ قدرت وجلال کبریائی ڈرتے ہی رہے بلکہ سرکار علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات جن کی شان میں لِیَغْفِرَلَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ فرماتے رہے وَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَایُفْعَلُ بِیْ“ [تالیفاتِ رشیدیہ:۹۹]

یاد رہے کہ حدیثِ نبوی ”مَایُفْعَلُ بِیْ“ سے امامِ آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب اور غیر مقلدین کے شارح حدیث داؤد راز صاحب نے بھی امکانِ کذب باری کے عقیدہ کو اخذ کیا ہے۔ جیسا کہ

آگے آئے گا، ان شاء اللہ۔

علی زئی صاحب کو چاہیے تھا کہ ان دلیلوں کا جواب دیتے۔ انہوں نے نہ ان کا جواب دیا اور نہ ہی ان کے معارض کوئی دلیل پیش کی ہے۔

۴۰۸

''وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ'' دلیل سے خود آلِ غیر مقلدیت نے امکانِ کذب باری کو ثابت کیا ہے حوالہ جات آئندہ صفحات میں منقول ہوں گے، ان شاء اللہ۔ بلکہ علی زئی صاحب کے دادا استاد ثناء اللہ امرتسری صاحب نے اسی آیت کو مدار بنا کر دعویٰ کر دیا:

''اللہ...قادر ہے اپنی مثل بنا سکتا ہے۔'' [الفیصلة الحجازية: ۲۱/مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول]

وحید الزمان صاحب غیر مقلد تو لکھتے ہیں:

''محال اگر کوئی شے ہے تو وہ (اللہ) اس پر بھی قادر ہے۔'' [لغات الحدیث: ۳۹/۲: ق]

علی زئی صاحب کے ہم نواؤں سے التماس ہے کہ وہ ثناء اللہ صاحب اور وحید الزمان صاحب پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں جو اللہ کو نہ صرف ممکنات پر قادر مانتے ہیں بلکہ محال پر بھی قادر بتاتے ہیں۔ (جاری۔۔)

☆......☆......☆......☆

وفیات

شیخ العرب و العجم حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا اظہر قاسمی رحمہ اللہ [انڈیا]

دار العلوم دیو بند کے ناظم تعمیر و ترقی مولانا فخر الدین رحمہ اللہ

تحریک خدام اہل سنت کے راہنما ابن امام پاکستان مولانا سید قاسم شاہ بخاری رحمہ اللہ [سرگودہا]

حضرت مولانا مفتی جمیل الرحمٰن مدظلہم [چکوال] کی ہمشیرہ محترمہ رحمہا اللہ [حضرو]

محترم جناب ماسٹر محمد یوسف صاحب [بھیں، چکوال] کی ہمشیرہ محترمہ رحمہا اللہ

حضرت مولانا طیب حنفی [بوریوالہ] کی اہلیہ محترمہ رحمہا اللہ

ثناء اللہ صاحب [جھان، سندھ] کی بھتیجی رحمہا اللہ [۲۳/اپریل ۲۰۱۷ء]

جامعہ مظہریہ حسینیہ [جھان، سندھ] کے طلبہ یاسر اور فیضان کے دادا جان رحمہ اللہ [۴/اپریل]

مجلّہ صفدر کے قاری جناب ملک قمر صاحب کی نانی محترمہ رحمہا اللہ [ساہیوال ضلع سرگودہا]

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔ [ادارہ]

صہیب احمد، کراچی

جناب جاوید احمد غامدی....شخصیت و اَفکار کا تعارف

ولادت: ۱۹۵۱ء کو ساہیوال کے علاقہ پاک پتن میں پیدا ہوانے والے اِن صاحب کا آبائی علاقہ سیالکوٹ کا ''داؤد'' نامی قصبہ ہے۔

نام: نام کا قصہ یہ ہے کہ والدہ محترمہ کو ''جاوید'' پسند تھا، والد کے شیخ نے ''کاکوشاہ'' کہا۔ چھوٹی خالہ کے بیٹے کا نام رفیق تھا، انہوں سے ''شفیق'' رکھ دیا۔ بڑی خالہ نے ''کاکامحمد'' تجویز کیا۔ بعد میں ایک استاذ کے مشورے سے ''شفیق احمد جاوید'' اور پھر ''جاوید احمد'' نام رکھ لیا۔

نسبت: ''غامدی'' نسبت کی کہانی یہ ہے کہ اپنے آبائی گاؤں کے ایک بزرگ مصنف مقبول انوری داؤدی صاحب کو دیکھ کر شوق ہوا کہ میری بھی کوئی نسبت ہونی چاہیے۔ دادا اِصلاح کا کام کرتے تھے، لہٰذا ''غمد الأمر'' کا معنی ''أصلح الأمر'' دیکھ کر ''غامدی'' نسبت اختیار کر لی۔

تعلیم: پاک پتن کے ایم سی پرائمری سکول، پکا سدھار کے سکول، اسلامیہ ہائی سکول پاک پتن میں دسویں تک تعلیم حاصل کی۔ پھر پانچ سال گورنمنٹ کالج لاہور میں گزارے۔ فلسفہ اور انگریزی ادب میں بی اے کے ساتھ آرنرز کیا۔ ۱۹۷۲ء کو فراغت ہوئی۔

دینی تعلیم: نانگپال (ضلع ساہیوال) کی مسجد کے امام مولوی نور محمد (دیوبندی) صاحب سے شرح جامی تک عربی اور پندنامہ تک فارسی پڑھی۔ نویں جماعت تک فنون کی تمام کتب (گمنام اساتذہ سے) ختم کر لیں۔ بعد میں صوفی ضیاء الحق صاحب سے ''مقامات ہمدانی''، مولانا عطاء اللہ حنیف غیر مقلد سے ''دارمی'' کا کچھ حصہ پڑھا۔ امین احسن اصلاحی صاحب سے ''زخرف'' تا آخر قرآنِ پاک، مؤطا مالک، قرآن وحدیث پر تدبر کے اُصول ومبادی اور فلسفہ جدید کے بعض مباحث پڑھے۔

شعر گوئی: شعر وشاعری کا شروع سے شوق رہا۔ ۶۸، ۶۹ کے زمانہ میں کچھ اشعار بعض مجلّات میں شائع بھی ہوئے۔

فکری تعلق: کالج کے آخری سال میں مولانا فراہی کی بعض کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ کسی کتاب کے دیباچے میں اُن کے تلمیذ رشید معروف تجدد پسند عالم جناب امین احسن اصلاحی صاحب کا

تذکرہ تھا۔ پوچھتے پاچھتے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی وساطت سے اُن تک پہنچے۔۱۹۷۳ء میں اُن سے وابستہ ہوئے اور ۱۹۸۳ء تک دس سال اُن کے ساتھ گزارے۔ اُنھی کی ملاقاتوں سے جناب غامدی صاحب کو یہ ''شرح صدر'' ہوا کہ: ''دین محض مان لینے کی چیز نہیں ہے۔'' اور یہ ''حقیقت'' بھی واضح ہوئی کہ: ''قرآن ایک قولِ فیصل ہے، دین وشریعت ہر چیز کے لیے میزان ہے۔(لہٰذا اپنی عقل کے مطابق) اِس کی روشنی میں ہم (متجد دین) حدیث وفقہ، فلسفہ وتصوف اور تاریخ وسیر ہر چیز کا محاکمہ کرسکتے ہیں۔'' مولانا اِصلاحی کی فکر غامدی صاحب کے لیے'' نئے قرآن'' کی دریافت ثابت ہوئی۔ اور ۱۹۸۳ء میں جب مولانا اصلاحی سے تعلیم کا مرحلہ مکمل ہوا تو غامدی صاحب کے معتقدات کی دنیا میں ایسا اضطراب پیدا ہو چکا تھا کہ ہر چیز اپنی جگہ چھوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ لہٰذا نئی تعمیر کی ضرورت تھی۔ اگلے سات برس اِسی بندوبست کی نذر ہو گئے۔

تصنیف: زمانۂ کالج میں ہی تصنیف کا شوق ہوا۔ کچھ تھوڑا بہت لکھا بھی۔ زیادہ تر منصوبے ہی بنائے۔ ۱۹۹۰ء میں جب (نئے دین کی) تعمیر کے لیے زمین ہموار ہوئی تو مستقل لکھنا شروع کر دیا۔ اَب تک جو تصانیف غامدی صاحب کے قلم سے سامنے آچکی ہیں، یہ ہیں:

۱)......میزان: یہ پورے'' غامدی دین'' کا بیان ہے۔

۲)...... برہان: وہ مباحث جن میں غامدی صاحب نے جمہور علماء کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔

۳)......مقامات: اپنے ذاتی حالات واحساسات، اجتہادی مسائل میں ''دینِ غامدی'' کا موقف اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔

۴)......خیال وخامہ اشعار کا مجموعہ ہے۔

۵)......البیان: قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر۔ جو'' دین غامدی'' کی ترجمانی کے لیے وقف ہے۔ اِس کی تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ ایک ابھی باقی ہے۔

مودودی صاحب سے تعلق: چھٹی یا ساتویں کلاس کے تاریخ کے استاذ نصیر الدین ہمایوں صاحب کی وساطت سے مودودی صاحب کے نام اور کام کا تعارف ہوا تھا۔ اسلامی جمعیۃ طلبہ کے سالانہ اجتماع میں بھی اُسی زمانہ میں شرکت ہوئی۔ وہیں مولانا مودودی کو دیکھا اور اُن کی ''دِل نواز شخصیت'' کے اسیر ہو گئے۔

قائم کردہ ادارے: کالج کے زمانہ میں دوستوں کے ساتھ مل کر'' دائرۃ الفکر'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ماہنامہ'' خیال'' کے نام سے رسالہ بھی جاری کرنا تھا۔ ایک دار العلوم بھی بنانا تھا۔ اِن تینوں چیزوں نے مودودی صاحب سے ایک قدم آگے بڑھ کر'' اسلامی انقلاب'' کا کام کرنا تھا۔ جو خامی

اُن کی جماعت میں رہ گئی تھی، اُسے دُور کرنا تھا۔ دارالعلوم کا نام ''جامعہ الحمراء'' تجویز ہوا تو رسالے کا نام بھی ''الحمراء'' سوچ لیا گیا۔ پہلا شمارہ ناتجربہ کاری کی بنا پر ایسا تھا کہ ضائع کرنا پڑا۔

۱۹۷۱ء میں علامہ اقبال روڈ پر بعض دیگر لوگوں کی معاونت سے درس قرآن کا حلقہ قائم کیا گیا۔ ڈیڑھ دو برس تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر باقاعدہ ''تحریک'' کی شکل دیدی گئی۔ لیکن جلد ہی اِس تنظیم کو ختم کرنا پڑا۔

مارچ ۱۹۷۳ء میں ''دائرۃ الفکر'' سے ''اشراق'' نامی مجلّہ چھاپا۔ لیکن ڈیکلریشن نہ ملنے کے باعث وہ جاری نہ رہ سکا۔ کچھ عرصے بعد ''دائرۃ الفکر'' کا نام تبدیل کر کے ''دارالاشراق'' رکھ دیا گیا۔ اُس زمانے میں مودودی صاحب کی خدمت میں بکثرت حاضری رہی۔ اُن سے کام کا ذکر کیا، سرپرستی قبول کرنے کی درخواست کی جو قبول ہوگئی۔ غامدی صاحب اور مودودی صاحب کے نام سے ایک مشترک اکاؤنٹ حبیب بینک اچھرہ میں کھولا گیا۔ مودودی صاحب اُس اکاؤنٹ میں ہزار روپیہ ماہنامہ اپنی جیب سے جمع کراتے رہے۔ غامدی صاحب بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ اچھرہ منتقل ہوگئے۔ اِس دوران مودودی صاحب کی خواہش پر غامدی صاحب ''جماعتِ اسلامی'' کے رکن بن چکے تھے۔

۱۹۷۶ء میں اچھرہ سے بوری بستر اُٹھایا اور ''مریدکے'' منتقل ہوگئے۔ اور جنوری ۱۹۷۷ء میں غامدی صاحب کی ''جماعت اسلامی'' سے رکنیت ختم کردی گئی۔ اس وقت میاں طفیل صاحب امیر تھے۔ غامدی صاحب کو ''جماعت اسلامی'' سے نکال دیا گیا۔ لیکن وہ ابھی بھی مودودی صاحب کی زلف کے اسیر ہیں۔ اور اُن کی جماعت کو ''اپنی برادری'' سمجھتے ہیں۔

قیامِ ''مریدکے'' کے دوران غامدی صاحب کے توجہ دلانے پر بعض اہل ثروت نے ''فرخ فاؤنڈیشن'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اور ایک رسالہ ''الاعلام'' شروع کیا گیا۔ لیکن وہ بھی زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا۔

اِسی دوران غامدی اور اُن کے بعض دیگر رفقاء رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے تو فکر معاش دامن گیر ہوئی۔ مجبوراً اپریل ۱۹۷۸ کو ''دارالاشراق'' نامی ادارہ بند کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ اور ماہنامہ ''اشراق'' کی ڈیکلریشن غامدی صاحب کے ایک ساتھی کے نام ملنے کے بعد جنوری ۱۹۷۹ء کے شمارے میں اِس کا اعلان کردیا گیا۔ البتہ غامدی صاحب نے رسالہ جاری رکھنے کا سوچا۔ لیکن دو ہی شماروں کے بعد اُسے بھی بند کرنا پڑا۔

غامدی صاحب کے استاذ جناب امین احسن اصلاحی صاحب بھی ابتدا میں مودودی صاحب کے

رفیق رہے، پھر اُن کی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور ''حلقہ تدبر قرآن'' کے نام پر تعلیم قرآن کی آڑ میں اپنے تجدد پسندانہ افکار کو فروغ دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ غامدی صاحب نے اپنے استاذ کے اِس حلقے پر بھی قابض ہونا چاہا اور آگے بڑھ کر ''ادارۂ تدبر قرآن وحدیث'' کے نام سے ادارہ قائم کر کے اُس کے تحت سہ ماہی ''تدبر'' رسالہ شروع کر دیا۔ لیکن جلد ہی احساس ہو گیا کہ: یہاں دال نہیں گلنے والی۔ تو اُس ادارے سے الگ ہو گئے۔

المورد کا قیام: بعض تلامذہ کے اصرار اور دیگر کی ہمنوائی پر جون ۱۹۸۳ء میں ایک ادارہ قائم کیا جو اَب ''المورد'' کے نام سے اِلحاد وزندقہ کی نشر واشاعت میں مصروف ہے۔ ۱۹۸۵ء میں ماہنامہ ''اشراق'' بھی شروع ہو گیا۔ ۱۹۸۷ء میں اس کی ڈیکلریشن غامدی صاحب کو مل گئی تب سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ شروع میں غامدی صاحب کے پاس رہا، پھر اپنے بیٹے معاذ احسن کے حوالے کر دیا۔ ''رینی رساں'' نامی انگریزی رسالہ بھی ۱۹۹۰ء سے اب تک جاری ہے۔

غامدی متاعِ حیات: غامدی صاحب جب چھٹی ساتویں جماعت کے طالب علم تھے اور پاک پتن میں رہائش پذیر تھے، تب مطالعہ وتحقیق کے لیے لائبریری جایا کرتے تھے۔ راستے میں ایک بینک کے دروازے پر پہرا دینے والے سنتری سے آنکھیں چار ہوتی تھیں۔ ایک روز اُس نے روک لیا۔ غامدی صاحب کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی۔ اُس نے کہا کہ: ''یہ کتاب پڑھ لو، یہ ایک بڑے آدمی کی کتاب ہے۔ اور میں تمہیں ایک اور کتاب دوں گا جس میں اِس کتاب پر علمی تنقید کی گئی ہے، کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے وہ بھی پڑھ لینا۔ علم کی دنیا میں اشخاص کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ یہاں ساری اہمیت صرف دلیل کو حاصل ہے۔'' غامدی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے دونوں کتابیں پڑھ لیں۔ ''یہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا جب میں دلیل کی اہمیت سے واقف ہوا۔ میری یہی واقفیت آج بھی میری زندگی کی سب سے بڑی متاع ہے۔''

[مقامات: ۱۳تا۴۲]

اِسی ''متاعِ حیات'' نے غامدی صاحب کو علماء امت، فقہائے دین اور صحابہ کرام حتی کہ خود شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے کاٹ کر رکھ دیا۔ اور وہ ''دلیل'' کے نام پر محض اپنے علم وعقل کے پیچھے چل پڑے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک ''دلیل'' نام ہی ''اپنے مطالعہ وفہم سے سمجھ میں آنے والی چیز'' کا ہے۔

دلیل کا تقاضا.....مختلف ادوار، مختلف خیالات: (حکومتی دین)

غامدی صاحب کیونکہ ''دلیل'' کی اہمیت سے واقف تھے، اِس لیے حالات وزمانہ کے مطابق اپنے خیالات وافکار میں مسلسل تبدیلیاں لاتے رہے۔ مثلاً: جنرل ضیاء الحق مرحوم کے زمانے میں غامدی

صاحب کا خیال تھا کہ: مذہب انسان کا ذاتی اور انفرادی معاملہ ہی نہیں، ریاستی ضرورت بھی ہے۔اور بدنام زمانہ جنرل پرویز مشرف کے دور تک اُن کی یہی رائے رہی۔ چنانچہ ۱۹۹۱ء اور ۱۹۹۳ء کے مطبوعہ مضامین میں لکھتے ہیں:

''بعض جماعتوں کے لیڈر اَبھی یہ جسارت تو نہیں کر سکتے کہ اِس معاشرے کو کھلم کھلا اِلحاد اور بے دینی کی دعوت دیں۔ چنانچہ اُنھوں نے اِس کے لیے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: مذہب لوگوں کا انفرادی مسئلہ ہے۔ وہ اگر اسے اختیار کیے رکھنا چاہتے ہیں تو کیے رکھیں، لیکن جہاں تک ریاست کا تعلق ہے، اسے مذہب سے بالکل بے تعلق رہنا چاہیے۔ ان کے نزدیک یہ بات اب مسلمات میں سے ہے کہ ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔...... یہ نقطۂ نظر ظاہر ہے کہ محض جہالت پر مبنی ہے۔'' [پس چہ باید کرد، ص: ۴۸۔ طبع: ۱۹۹۳ء...... ماہنامہ تذکیر جنوری ۱۹۹۱ء، ص: ۲۸]

لیکن جنرل پرویز مشرف کے اقتدار میں آنے کے بعد ''دلیل'' کا تقاضا یہ ہوا ''روشن خیال اسلام'' تشکیل دیا جائے، چنانچہ اُس کے لیے سرگرداں ہو گئے۔ اور ملکی حالات عموماً اُسی رخ پر چلنے کے باعث تا حال ''دلیل'' کا تقاضا یہی ہے۔ چنانچہ اپنے ایک حالیہ مضمون میں لکھتے ہیں:

''یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ ریاست کا بھی کوئی مذہب ہوتا ہے۔ اور اُس کو بھی کسی قرار دادِ مقاصد کے ذریعے سے مسلمان کرنے اور آئینی طور پر اِس کا پابند بنانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اُس میں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔'' [روزنامہ جنگ ۲۷/جنوری ۲۰۱۵ء]

اِس پر مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا مختصر تبصرہ نہایت چشم کشا ہے۔ حضرت مدظلہم نے اپنے ایک مکتوب میں اِس پر ''**ولتعرفنهم في لحن القول.**'' کے قرآنی الفاظ سے تبصرہ فرمایا ہے۔ حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی رحمہ اللہ اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''آپ اُن (منافقین) کو طریقہ گفتگو سے پہچان لیں گے۔ ایسے لوگ جب بات کرتے ہیں تو کسی نہ کسی موقع پر اُن کی اسلام دشمنی ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔'' [معالم العرفان: ۱۷/۷۸]

اور صاحبِ تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

''منافقین اپنے حال کو بھی مسلمانوں سے بہت مخفی رکھتے تھے کہ مبادا ہماری اندرونی خباثت معلوم ہو جائے۔... اِس بات کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:... ان کی طرزِ گفتار سے بھی اے محمد (ﷺ) آپ پہچان لیں گے۔'' [۴/۳۱۶]

اِسی طرح پرویز مشرف کی آمد سے قبل ''دلیل'' کا تقاضا یہ تھا کہ داڑھی ''سنت'' اور ''دین کا حصہ'' ہو، لیکن زمانہ مشرف میں ''دلیل'' کا تقاضا تبدیل ہو گیا۔ چنانچہ داڑھی نہ سنت رہی اور نہ دین کا حصہ۔ بلکہ

عرب کے معاشرے کا ایک دستور قرار پائی۔ داڑھی کے بارے میں ان کے دونوں موقف اُن کے تلمیذ رشید جناب عمار خان ناصر کے قلم سے پڑھیے!

''دین میں داڑھی کے بارے میں استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کے دو قول ہیں۔ قولِ جدید کے مطابق یہ ان کے نزدیک کوئی دینی نوعیت رکھنے والی چیز نہیں۔'' [اشراق، جنوری ۲۰۱۱ء، ص: ۴۵]

اور خود غامدی صاحب اپنا حالیہ موقف یوں لکھتے ہیں:

''داڑھی مرد رکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی۔ آپ کے ماننے والوں میں سے کوئی شخص اگر آپ کے ساتھ تعلق خاطر کے اظہار کے لیے یا آپ کی اتباع کے شوق میں داڑھی رکھتا ہے تو اسے باعثِ سعادت سمجھنا چاہیے، لیکن یہ دین کا کوئی حکم نہیں ہے۔'' [مقامات: ۱۳۸، طبع اول]

''دلیل'' کے تقاضے کی ایک اور مثال بھی پڑھتے جایئے! غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''مقامات'' پہلی مرتبہ ۲۰۰۶ء میں طبع کرائی تھی، جس کے تین حصے تھے: عربی، اردو، انگریزی۔ عربی کے کل ۲۲/صفحات تھے، ہر صفحے میں ۲۲/ سے زیادہ فحش غلطیاں۔ انگریزی شاعری دوسرے انگریز شاعروں کے کلام کا سرقہ تھی۔ جب اِن دونوں چیزوں پر گرفت شروع ہوئی تو ''دلیل'' کا تقاضا یہ ہوا کہ کتاب کتب خانوں سے اٹھالی جائے۔ لہٰذا اُٹھالی گئی۔ ۲۰۰۸ء میں دوبارہ شائع کی گئی، جس میں سے عربی اور انگریزی والا حصہ غائب تھا۔ کتاب پر ''طبع اول ۲۰۰۸ء'' کا لفظ جگمگا رہا تھا۔ رہے نام ''دلیل'' کا۔!!

اِس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے جامعہ کراچی کے شعبہ تصنیف وتالیف کے نگران ڈاکٹر خالد جامعی صاحب کا غامدی دین پر تبصرہ برمحل اور درست ہی معلوم ہوتا ہے کہ: ''غامدی صاحب کا دین ''حکومتی دین'' ہوتا ہے۔ جیسی حکومت، ویسا دین۔''

غامدی صاحب کی بنیادی فکر......اور دین غامدی کا خلاصہ:

مشرف کے دورِ اقتدار میں غامدی صاحب کو بالکل اُسی طرح بلکہ اُس سے بڑھ کر سرکاری مشینری کی سرپرستی اور پذیرائی حاصل ہوئی جس طرح ایوب خان کے زمانہ میں غلام احمد پرویز، ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور عمر احمد عثمانی کو ملی۔ چنانچہ غامدی صاحب کو ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کا رکن چن لیا گیا۔ ہوم سیکرٹری اور اِس سے اعلیٰ درجے کے افسران میں غامدی صاحب کے ''تربیتی دروس'' ہونے لگے۔ ٹی وی اور میڈیا کے ذریعے بام عروج پر پہنچایا گیا۔ اور پرویز مشرف کے ایماء پر ایک ایسے ''اسلام'' کی تشکیل کے درپئے ہوئے جو دنیا کے تمام مذاہب کے لیے قابل قبول ہو۔ اس کے لیے بنیادی ڈھانچہ تشکیل دیا۔ کلمہ سے لے کر وصیت کے مسائل تک میں ''قدیم اسلام'' سے الگ اور جداگانہ مسائل وضع کیے۔ چنانچہ غامدی پارٹی کا موقف ہے کہ:

یہود ونصاریٰ کے لیے نبی کریم پر ایمان لانا ضروری نہیں۔اس کے بغیر بھی اُن کی بخشش ہو جائے گی۔اُن کے لیے اپنی کتاب اور اپنے نبی کو ماننا کافی ہے۔[اشراق،جنوری ۲۰۰۸،ص:۷۰]

غامدی صاحب چونکہ (بحکم پرویز مشرف) اِس کوشش میں تھے کہ ایسا دین تشکیل دیا جائے جو پوری دنیا کے انسانوں کے لیے قابل قبول ہو۔لہٰذا ’’سنت‘‘ کی بھی ایسی تعبیر وضع کی جو دراصل یہود ونصاریٰ میں ہی رائج العمل ہو۔چنانچہ غامدی صاحب کے نزدیک ’’سنت‘‘ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی فعل کا نام نہیں۔بلکہ ’’دین ابراہیمی کی روایت‘‘ کا نام ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِصلاح کے بعد ’’دین کی حیثیت سے‘‘ جاری فرمایا ہو۔گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ’’شارع‘‘ کے بجائے صرف ایک ’’مجدد‘‘ کی رہی۔اور ’’دین کی حیثیت‘‘ سے ہونے کے فیصلے کا معیار ’’عقل غامدی‘‘ کے سوا کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

صرف اِسی پر بس نہیں بلکہ غامدی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ: اِس سنت کی تفصیلات کو قرآن سے اخذ کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کے حاملین کے اجماع اور تواتر سے اس کی تفصیلات لی جائیں گی۔[میزان، ص:۴۷، طبع مئی ۲۰۱۴ء] ظاہر بات ہے کہ دین ابراہیمی کی روایت کے حاملین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ ہی تھے۔لہٰذا غامدی دین کی ’’سنت‘‘ کی تفصیلات یہود ونصاریٰ کے اجماع اور تواتر سے حاصل کی جائیں گی۔

غامدی صاحب تعمیل حکم مشرف میں یہاں تک پہنچ گئے۔لیکن مسلمانوں کو فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ: ’’یہود ونصاریٰ اُس وقت تک تم سے راضی نہیں ہو سکتے جب تک تم اُن کا دین اختیار نہ کرلو۔‘‘ لہٰذا تمام مذاہبِ عالم کے لیے قابل قبول بنانا ہے تو ’’اسلام‘‘ کو ’’یہودیت ونصرانیت‘‘ میں مکمل طور پر ڈھال دیا جائے۔ورنہ وہ تو راضی نہیں ہوں گے۔گویا اُن کے لیے نیا دین نہیں وضع کرنا بلکہ اُن کے دین کو اپنانا ہے، لیکن لیبل اُس پر ’’اسلام‘‘ کا لگانا ہے۔

چنانچہ غامدی صاحب اپنی مزعومہ سنت کے بارے میں یہاں تک لکھتے ہیں کہ: یہ قرآن کے بعد نہیں بلکہ قرآن پر مقدم ہے۔[ایضاً] یعنی یہود ونصاریٰ کے طریقے مسلمانوں کے قرآن پر مقدم ہیں۔اگر کہیں قرآن اور یہود ونصاریٰ کے عمل میں تقابل ہو جائے تو قرآن کو چھوڑ دیا جائے گا اور یہود ونصاریٰ کے عمل کو اپنا لیا جائے گا۔یہی ’’غامدی اسلام‘‘ ہے۔

قرآن وسنت کا یہ حشر کرنے کے بعد غامدی صاحب ’’حدیث‘‘ کی طرف بڑھے اور صاف صاف کہہ دیا کہ: ’’حدیث سے دین میں کسی عقیدہ یا عمل کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔‘‘ [میزان:۱۵] یعنی حدیث شریف محض بطورِ برکت پڑھنے کی چیز ہے۔فکری وعملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔حالانکہ بہت سے اسلامی

عقائد اور سیکڑوں احکاماتِ شرعیہ کا دارمدار احادیث مبارکہ پر ہے۔ غامدی صاحب نے بیک جنبش قلم سب کا انکار کر دیا۔

قرآن وسنت اور حدیث کے بعد تیسری دلیل شرعی ''اجماعِ امت'' ہے جو غامدی صاحب کے نزدیک ویسے ہی بدعت ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''دین کے مآخذ میں اجماع کا اضافہ یقیناً بدعت ہے۔'' [اشراق، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص:۲] لیکن حیرت کی بات ہے کہ غامدی صاحب ''امتِ مسلمہ'' کے اجماع کو تو بدعت قرار دیتے ہیں، لیکن حاملین روایتِ دین ابراہیمی (یہود ونصاریٰ) کے اجماع وتواتر کو تسلیم کرتے ہیں۔ [میزان:۴۷]

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

قارئین کرام!

غور فرمایئے! غامدی صاحب نے مسلمانوں کو کہاں لا کھڑا کیا ہے۔

......پہلے کہا کہ: یہود ونصاریٰ کے لیے نبی کریم ﷺ پر ایمان ضروری نہیں۔ اِس سے کلمے کی اہمیت ختم۔

......پھر کہا کہ: ''سنت'' نبی کریم ﷺ کا عمل نہیں ''دین ابراہیمی کی روایت'' ہے۔

......پھر فرمایا: اِس سنت کی تفصیلات یہود ونصاریٰ کے اجماع وتواتر سے حاصل کی جائیں گی۔

......اور بات ختم یہاں کی کہ: یہ سنت قرآن کے بعد نہیں بلکہ قرآن پر مقدم ہے۔

تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

......یہود ونصاریٰ کے طریقے ہی اصل دین اسلام ہے۔ وہ قرآن پر مقدم ہیں۔ وہی اصل میں سنت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اُن کے طریقوں کو اپنا لینا چاہیے۔ فیا للأسف

چند غامدی اُصول:

غامدی صاحب کے چار بڑے اُصول ہیں:

۱)......عربی معلیٰ ۲)......تصورِ سنت ۳)......فطرت ۴)......اتمام حجت

۱)......عربی معلیٰ:

غامدی صاحب مبادی تدبر قرآن کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''اِس کتاب کا فہم اَب اس زبان کے صحیح علم اور اس کے صحیح ذوق ہی پر منحصر ہے، اور اِس میں تدبر اور اِس کی شرح وتفسیر کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی اِس زبان کا جید عالم ہو اور اِس کے اسالیب کا ایسا ذوق آشنا ہو کہ قرآن کے مدعا تک پہنچنے میں کم سے کم اُس کی زبان اُس کی راہ میں حائل نہ ہو سکے۔...... ہر

معاملے میں یہی کتاب قولِ فیصل اور یہی صحیفہ معیار ہے۔......قرآن سے باہر کوئی وحی خفی یا جلی یہاں تک کہ خدا کا وہ پیغمبر جس پر یہ نازل ہوا ہے، اِس کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص یا اِس میں کوئی ترمیم و تغیر نہیں کرسکتا۔......ایمان و عقیدہ کی ہر بحث اِس سے شروع ہوگی اور اِسی پر ختم کردی جائے گی۔......اِس کے الفاظ کی دلالت اِس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہے۔......اِس کا مفہوم وہی ہے جو اِس کے الفاظ قبول کر لیتے ہیں۔......حدیث سے قرآن کے نسخ اور اس کی تحدید و تخصیص کا یہ مسئلہ سوءِ فہم اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔

[میزان:۱۶تا۳۶]

اِس غامدی اُصول کا خلاصہ یہ ہے قرآن پاک سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تفسیر بالحدیث، تفسیر بآثار الصحابہ اور تفسیر باقوال المفسرین کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ محض عربی دانی اور عربی زبان واسلوب کی واقفیت کی بنیاد پر قرآن کو مکمل طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ البتہ لغت کو حل کرنے لیے شعراء وفصحاء عرب کی طرف ضرور رجوع کیا جائے گا۔اور عربی لغت وادب کی کتب بہرحال مستند ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''لغت وادب کے ائمہ اس بات پر ہمیشہ متفق رہے ہیں کہ قرآن کے بعد یہی کلام ہے جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور جو صحتِ نقل اور روایت باللفظ کی بناپر زبان کی تحقیق میں سند و حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔'' [میزان:۱۹]

لٰہذا حلِ قرآن کے لیے ائمہ لغت اور ادبِ عربی سے تو راہ نمائی لی جاسکتی ہے۔لیکن اس کے معنی ومفہوم کے لیے ذخیرہ حدیث اور ائمہ تفسیر سے راہ نمائی لینا درست نہیں۔یا للعجب۔۔!!

۲)......تصورِ سنت:

تصورِ سنت کی وضاحت گذشتہ سطور میں ہوچکی ہے کہ غامدی دین میں: سنت دین ابراہیمی کی روایت جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہو۔اَب جس عملِ نبوی کی بابت غامدی صاحب کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اِسے یہود ونصاریٰ قبول نہیں کریں گے تو اُس کی بابت بڑے دھڑلے سے کہہ دیتے ہیں کہ: یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تو تھا۔لیکن ''دین کی حیثیت'' سے نہیں۔ اپنے معاشرے کے رواج اور طریقے کے طور پر۔لہٰذا یہ ''سنت'' نہیں۔ چنانچہ داڑھی، عمامہ، مسنون لباس اور دیگر بہت سی سنتوں کے ساتھ اُن کا یہی رویہ ہے۔

یہ غامدی بیماری اُن کے تلامذہ میں بھی بھرپور طریقے سے سرایت کی ہوئی ہے۔ چنانچہ اُن کے مایہ ناز تلمیذ رشید عمار خان ناصر مرد و عورت کی دیت کے بارے میں یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ: ''صحابہ کرام رضوان

اللہ علیہم اجمعین کے فیصلے مذہب جمہور کے مطابق ہیں۔ حضرت عمرؓ اور سیدنا علیؓ کے فیصلے ہیں۔'' اِسے ماننے سے انکار کردیتے ہیں۔ اور عذر لنگ یہی ہے کہ: ''یہ فیصلے دین وشریعت کے طور پرنہیں بلکہ ماحول اور معاشرے کے مطابق کیے گئے تھے۔'' [ماہنامہ اشراق: ۴۱،۴۲۔اگست ۲۰۱۲ء]

غامدی صاحب کے اِس تصورِ سنت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیکڑوں ہزاروں مبارک سنتوں کی تعداد گھٹا کر ۲۷ر تک محدود کردی ہے۔ اور خوب غور وخوض کے بعد صرف اُن چیزوں کو''سنت'' قرار دیا ہے جن پر یہود ونصاریٰ کو اعتراض نہ ہو۔

۳)......فطرت:

حلال وحرام کے معاملے میں غامدی صاحب نے یہود ونصاریٰ کو راضی رکھنے کے لیے یہ فلسفہ گھڑا ہے کہ شریعت کے نزدیک حلال وحرام کی بنیاد وحی یا آسمانی تعلیمات نہیں، انسانی فطرت ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''طیبات وخبائث کی کوئی جامع مانع فہرست شریعت میں کبھی پیش نہیں کی گئی۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت اِس معاملے میں بالعموم اُس کی صحیح راہ نمائی کرتی ہے اور وہ بغیر کسی تردد کے فیصلہ کرلیتا ہے کہ کیا چیز طیب ہے اور کیا خبیث ہے۔'' [میزان: ۶۲۹]

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے منع فرمایا، اُن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''چنانچہ خدا کی شریعت نے اِس معاملے میں انسان کو اصلاً اُس کی فطرت ہی کی راہ نمائی پر چھوڑ دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچلی والے درندوں، چنگال والے پرندوں، جلالہ اور پالتو گدھے وغیرہ کا گوشت کھانے کی جو ممانعت روایت ہوئی ہے، وہ اِسی فطرت کا بیان ہے۔ شراب کی ممانعت سے متعلق قرآن کا حکم بھی اِسی قبیل سے ہے۔ [میزان: ۶۳۰]

اِس غامدی فلسفے کے نتیجے میں شریعت کی تمام حرام کردہ چیزیں محض غامدی فطرت کی بنا پر حلال قرار پائیں گی۔ اور ہر انسان کو آزادی ہوگی کہ جسے چاہے حلال سمجھ کر کھالے اور جسے چاہے حرام سمجھ کر چھوڑ دے۔

۴)......اتمام حجت:

غامدی صاحب نے یہود ونصاریٰ کی رضامندی کی خاطر قرآنِ پاک کی من چاہی تفسیر کے لیے محض عربی دانی کا اصول وضع کیا۔ اپنی مرضی کا ''تصورِ سنت'' گھڑا۔ قرآن کو اُس سنت کے ماتحت قرار دیا۔ احادیث مبارکہ کو فکری وعملی زندگی میں غیر مؤثر قرار دیدیا۔ اجماع امت کو'بدعت' کہہ دیا۔ حلت وحرمت کو

فطرتِ انسانی کے سپرد کر دیا۔لیکن چند مسائل ایسے تھے کہ اُن کا کوئی حل اِن غامدی اُصولوں سے نہیں ہو پا رہا تھا۔چنانچہ اتمام حجت کا ایک اور قانون تشکیل دیا گیا۔چنانچہ لکھتے ہیں:

''دین کی اصطلاح میں کافر قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی ہے اور یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس نے ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر دین کا انکار کیا ہے۔دین کی کامل وضاحت جس میں غلطی کا کوئی شائبہ نہ ہو، صرف اللہ کا پیغمبر اور اُن کے تربیت یافتہ صحابہ ہی کر سکتے تھے۔اس وجہ سے اتمامِ حجت کے بعد تکفیر کا حق دین نے انھی کو دیا ہے۔ان کے بعد دین کی کامل وضاحت چونکہ کسی فرد یا اجتماع کے بس کی بات نہیں ہے، اس لیے اب تکفیر کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا ہے۔''

[ہٹس ۹۰۱، ۲۵ستمبر ۲۰۰۹ء]

یعنی نبی کے بعد کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ کسی کی تکفیر کرے۔حتی کہ ریاست بھی کسی کی تکفیر نہیں کر سکتی۔اِس قانون کا مقصد یہ ہے کہ: جب کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی تو کسی سے جہاد بھی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ جہاد کافروں سے ہوتا ہے۔اور جب کسی کی تکفیر کا حق نہیں ہے تو کسی کو ''مرتد'' قرار دے کر ارتداد کی سزا کا حق بھی نہیں ہے۔اور ہر ذی شعور سمجھتا ہے کہ یہود ونصاریٰ کو جہاد اور سزائے ارتداد سے جس قدر تکلیف ہے، شاید کسی اور حکم اسلامی سے نہیں۔اِس لیے غامدی صاحب اِن احکامات کو تہہ تیغ کرنے کے در پئے ہیں۔جہاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ جہاد وقتال ہے، لیکن اس کا حکم قرآن میں دو صورتوں کے لیے آیا ہے:

ایک، ظلم وعدوان کے خلاف،

دوسرے، اتمام حجت کے بعد منکرین حق کے خلاف۔

پہلی صورت شریعت کا ابدی حکم ہے اور اِسی کے تحت جہاد اُسی مصلحت سے کیا جاتا ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔دوسری صورت کا تعلق شریعت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے جو اِس دنیا میں ہمیشہ اُس کے براہِ راست حکم سے اور انھی ہستیوں کے ذریعے سے روبعمل ہوتا ہے جنھیں وہ رسالت کے منصب پر فائز کرتا ہے۔ [میزان، قانون جہاد، ص: ۵۷۷، طبع مئی ۲۰۱۴ء]

گویا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد جہاد کا دروازہ بند ہے۔

۵)......سزائے قتل:

اِن چار بڑے اُصولوں کے ساتھ سزائے رجم اور شاتم رسول کی سزائے قتل کے سد باب کے لیے ایک اور غامدی ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔کیونکہ زنا کے مجرم کو رجم کرنا اور یا شاتم رسول کو قتل کرنا یہود ونصاریٰ کو کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔اِس لیے غامدی صاحب کو یہ ضابطہ ایجاد کرنا پڑا کہ اسلام میں قتل کی سزا

صرف قتل نفس اور فساد فی الارض کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''موت کی سزا قرآن مجید کی رو سے قتل نفس اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں بھی نہیں دی جا سکتی۔''

[برہان: ۱۴۳]

یہاں غامدی صاحب کو ''فساد فی الارض'' کی قید دو وجہ سے لگانی پڑی:

[ا]......قتل نفس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو سزائے قتل دی یا دلوائی، اُن کے جرم کی تاویل کر کے اُسے اِس ضمن میں لایا جا سکے۔ جیسے وہ شاتمین رسول جنھیں آپ ﷺ نے قتل کرایا، غامدی صاحب اُن کو فساد فی الارض کا مرتکب قرار دیتے ہیں۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ غامدی صاحب نے اِس مقام پر یہود و نصاریٰ کی رضا مندی کے حصول کی خاطر اصحابِ رسول پر زبان درازی اور اُن پر گھناؤنے الزامات لگانے سے بھی احتراز نہیں کیا۔ چنانچہ صحابی رسول حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں غامدی صاحب لکھتے ہیں:

اعتراف جرم اور ندامت سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ (حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ) کوئی مرد صالح تھا جس سے یہ جرم اتفاقاً سرزد ہو گیا۔ دنیا میں جرائم کی جو تاریخ اب تک رقم ہوئی ہے، اس سے دسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ بدترین اوباش اور انتہائی بدخصلت غنڈے جو کسی طرح گرفت میں نہیں آ سکتے تھے، ارتکاب جرم کے فوراً بعد کسی وقت اس طرح قانون کے سامنے خود پیش ہوئے کہ ان کی ندامت پر لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے ہمدردی کے جذبات امنڈ آئے۔ نفسیات جرم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے محرکات کئی ہو سکتے ہیں: مجرم اس اندیشے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اب یہ جرم چھپا نہ رہے گا، اس لیے وہ خود آگے بڑھ کر اس خیال سے اپنے آپ کو قانون کے سامنے پیش کر دیتا ہے کہ اس طرح شاید اسے سخت سزا نہ دی جائے۔

......پروردگار اسے جنت میں بھی داخل کر سکتا ہے۔ اللہ کا رسول اگر دنیا میں موجود ہو اور اسے وحی کے ذریعے یہ بتایا جائے کہ مجرم کی مغفرت ہو گئی اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھے اور لوگوں کو بھی اس کے حق میں دعا کی نصیحت کرے تو اس سے اس کردار کی نفی کس طرح ہو جائے گی جو توبہ و اصلاح سے پہلے اس مجرم کا رہا؟ اس سے کیا یہ سمجھا جائے کہ کسی اوباش کو کبھی توبہ کی توفیق نہیں ملتی؟ اور جو شخص توبہ کر لے، اس کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کبھی اوباش بھی رہا تھا؟

[برہان: ۸۵]

گویا غامدی صاحب اِس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ اُن کے قلم سے اصحاب رسول بھی محفوظ نہیں۔

جب غامدی صاحب کا اصحابِ رسول کے بارے میں یہ رویہ ہے تو اُن کے تلامذہ کیوں پیچھے

رہنے لگے؟ غامدی صاحب کے تلمیذ رشید جناب عمار خان ناصر صاحب بھی حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے نہ ''حضرت'' کا سابقہ لگانے کا تکلف کرتے ہیں اور نہ ہی ''رضی اللہ عنہ'' کے دعائیہ کلمے کا حوصلہ۔ لکھتے ہیں: ''اس ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اسلمی اور غامدیہ کے واقعات میں جو طرز......ماعز اسلمی کے جرم کی نوعیت......بعض روایات کے مطابق ماعز کو رجم کرنے کے بعد......[حدود وتعزیرات: ۴۷، ۱۶۳، ۱۶۴] بلکہ ایک دوسرے مقام پر تو عمار خان صاحب نے اصحاب رسول کی بابت انتہائی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور اُن کو زنا کے اڈے چلانے والا لکھ دیا ہے۔(العیاذ باللہ)۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''اس معاشرے میں آپ کے تربیت یافتہ اور بلند کردار صحابہ کے علاوہ منافقین اور تربیت سے محروم کمزور مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی جو مختلف اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں میں مبتلا تھی اور ان کی اصلاح وتطہیر کا عمل، جتنا بھی ممکن تھا، ایک تدریج ہی کے ساتھ ممکن تھا۔ اس طرح کے گروہوں میں نہ صرف پیشہ ورانہ بدکاری اور یاری آشنائی کے تعلقات کی مثالیں پائی جاتی تھیں بلکہ اپنی مملوکہ لونڈیوں کو زنا پر مجبور کر کے ان کے ذریعے سے کسب معاش کا سلسلہ بھی جاری وساری تھا۔'' [الشریعہ، جون ۲۰۱۴ء، ص: ۱۸۸]

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جن شخصیات کو عمار خان صاحب نے ''تربیت سے محروم کمزور مسلمان'' سے تعبیر کیا ہے، وہ کون تھے؟ کیا وہ صحابہ نہیں تھے؟ تھے اور یقیناً تھے۔ اِنھی صحابہ کرام پر نعوذ باللہ پیشہ وارانہ بدکاری، یاری آشنائی اور زنا کے اڈے چلانے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ یاد رہے کہ ''تربیت سے محرم کمزور مسلمان'' کی اصطلاح عمار خان صاحب نے روافض سے چرائی ہے۔

[۲]......''فساد فی الارض'' کی قید کی دوسری وجہ: غامدی صاحب کے سرپرست اعلیٰ جنرل پرویز مشرف اور اُن کے ''اعلیٰ حضرات'' یہود ونصاریٰ اگر قتل نفس کے علاوہ کسی کو سزائے موت دیتے ہیں تو اُس کو بھی ''فساد فی الارض'' کے تحت لاکر اُن کے ہر جائز ناجائز فعل کو سندِ جواز فراہم کی جاسکے۔

۶)......عقل پرستی:

دنیا بھر میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں۔ جن میں ایک بڑی تعداد عقل پرستوں کی ہے۔ بلکہ موجودہ یہود اور بالخصوص نصاریٰ میں بھی اکثر اپنے دین سے ایسے برگشتہ ہو چکے ہیں جیسے غامدی صاحب اور اُن کے متعلقین اسلام سے۔ غامدی صاحب نے ایسے ہی عقل پرستوں کی رعایت کرتے ہوئے اپنے دین کی بنیاد عقل پر رکھی ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ غامدی صاحب کی ''متاعِ حیات'' کل دو چیزیں ہیں۔

[۱]......دلیل کی اہمیت: جو اُن کو ایک سنتری سے حاصل ہوئی تھی۔ اِس کا جائزہ لیا جاچکا ہے۔

[۲]......عقل کی اہمیت۔ جو اُن کو اپنے استاذ امین احسن صاحب سے ملی کہ: ''دین محض مان لینے کی چیز نہیں ہے۔'' بلکہ اس کی ہر بات کو سمجھا بھی جا سکتا ہے۔

حالانکہ خالق کائنات نے قرآنِ مقدس کی ابتدا میں "الٓمٓ" اُتار کر اِن عقل پرستوں کو گنگ کر دیا ہے کہ جسے اپنی ''عقل'' پر گھمنڈ ہے وہ اِس کا حتمی معنی بیان کرے، پھر آگے چلے۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک صحابی کے سوال پر عقلی جواب دینے کے بجائے ''تعوذ'' کی تلقین کر کے یہ سمجھا دیا دین میں اہمیت ''ماننے'' کی ہے۔

غامدی صاحب چونکہ دنیا بھر کے لوگوں کے لیے قابل قبول دین بنانے نکلے ہیں، اِس لیے اُنہوں نے اُن اسلامی احکامات کا بھی قلع قمع کرنے کی کوشش کی ہے جنھیں اِن عقل پرستوں کی عقلیں قبول نہیں کرتیں۔ جیسے حیاتِ عیسیٰ۔ لیکن چونکہ احادیث متواترۃ المعنی اِس پر دال ہیں۔ اِس لیے غامدی صاحب کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ اِن احادیث کو خلافِ قرآن قرار دے کر اِس عقیدے کا انکار کر دیں۔ لہٰذا لکھتے ہیں:

''نزولِ مسیح کی روایتوں کو اگرچہ محدثین نے بالعموم قبول کیا ہے، لیکن قرآن کی روشنی میں دیکھیے تو وہ بھی محل نظر ہیں۔'' [میزان:۱۷۸]

۷)......مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کا دفاع:

غامدی دین کا اصل مقصد تو یہود و نصاریٰ کی رضامندی کا حصول ہے، اِس لیے وہ اُن شخصیات کے دفاع پر بھی مجبور ہیں جنھیں انگریزوں نے بطور آلہ کار استعمال کیا۔ لیکن علمائے امت نے اُن کے خلاف ایسا بند باندھا کہ وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایسی شخصیات میں سے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور غلام احمد صاحب پرویز سرفہرست ہیں۔ غامدی صاحب الگ الگ مقامات پر اِن دونوں کا دفاع کرتے نظر آتے ہیں۔ پرویز صاحب کا دفاع تو اپنے قانون ''اتمام حجت'' کے تحت کیا کہ: ''کسی کی تکفیر کا حق امتی کو نہیں ہے۔ لہٰذا علماء کا اُن کو کافر قرار دینا درست نہیں۔'' اور قادیانی صاحب کے دفاع کی یہ صورت اختیار کہ اُن کے دعویٰ نبوت سے انکار کرتے ہوئے اُن کو ایک عدد ''صوفی'' باور کرا دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بنیادی طور پر صوفی تھے... انہوں نے دعویٰ نبوت نہیں کیا۔''

[اختلافات احمدیہ:۸۴]

قارئین مکرم!

آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ غامدی صاحب ''دلیل'' کی اہمیت کا نعرہ لگا کر...... ''قرآن اپنے معنی

میں بالکل واضح ہے'' کا خوبصورت جملہ سنا کر...... ''سنت'' کا مبارک لفظ اپنے من گھڑت مفہوم کے لیے استعمال کرتے ہوئے...... حدیث مبارکہ کو فکری و عملی زندگی سے خارج قرار دے کر...... اجماع کو بدعت لکھ کر...... حلت وحرمت کا معیار ''فطرت'' کو بتا کر...... ''اتمام حجت'' اور ''سزائے قتل'' کے نام سے دو خود ساختہ اُصول وضع کر کے...... دراصل یہود ونصاریٰ کے لیے قابل قبول دین تشکیل دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔اور اِس مقصد کے لیے قرآنِ پاک، حدیث وسنت، اجماع امت، جہاد اور حدود شرعیہ سے الگ تھلگ ایک بالکل متوازی دین پیش کر رہے ہیں۔جسے دین غامدی کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔

۸)...... چند مزید غامدی افکار:

سابقہ سطور میں غامدی صاحب کے بنیادی اُصولوں کے حوالے سے چند گذارشات کی گئی ہیں۔ ذیل میں ہم اُن کے چند مزید خیالات درج کرتے ہیں، جن میں انھوں نے جمہور امت کا راستہ (صراطِ مستقیم) چھوڑ دیا ہے۔

......قیامت کے قریب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔[میزان:۱۷۷]

......قرآن پاک کی صرف ایک قراءت ہے، باقی قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔

[میزان، ص:۳۲، طبع اپریل ۲۰۰۲ء......بحوالہ تحفہ غامدی از مفتی عبدالواحد مدظلہ]

......تمام فقہاء کرام کی آراء کو اپنے علم وعقل کی روشنی میں پرکھنا چاہیے۔[ہٹس:۲۷۷، ۱۹جون ۰۹ء]

ہر آدمی کو اجتہاد کا حق حاصل ہے۔اجتہاد کی اہلیت کی کوئی شرائط متعین نہیں، جو سمجھے کہ اسے تفقہ فی الدین حاصل ہے وہ اجتہاد کر سکتا ہے۔ [سوال وجواب، ہٹس ۶۱۲، تاریخ اشاعت: ۱۰مارچ ۲۰۰۹ء]

......تصوف عالم گیر ضلالت اور اسلام سے متوازی ایک الگ دین ہے۔[برہان:۱۸۱]

......مسلم وغیر مسلم اور مرد وعورت کی گواہی میں کوئی فرق نہیں ہے۔سب کی گواہی یکساں ہے۔

[برہان:۲۵]

......زکوٰۃ کے نصاب میں ریاست کو تبدیلی کا حق حاصل ہے۔[اشراق، جون ۲۰۰۸ء، ص:۷۰]

......موسیقی فی نفسہ جائز ہے۔[اشراق، فروری ۲۰۰۸ء، ص:۶۹]

......بت پرستی کے لیے بنائی جانے والی تصویر یا مجسمے کے علاوہ ہر قسم کی تصویریں جائز ہیں۔

[اشراق، مارچ، ۲۰۰۹ء، ص:۶۹]

......بیمہ جائز ہے۔[اشراق، جون ۲۰۱۰ء، ص:۲]

......سور کی نجاست صرف گوشت تک محدود ہے۔اس کے بال، ہڈیوں، کھال وغیرہ سے دیگر فوائد

اٹھانا جائز ہے۔ [اشراق، اکتوبر ۱۹۹۸ء، ص:۷۹......بحوالہ: غامدیت کیا ہے؟ ص:۶۰]

صوفیاء وفقہائے امت پر غامدی صاحب کا طنز:

صوفیائے کرام اور فقہائے عظام پر طنز کرتے ہوئے غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اللہ کی ہدایت یعنی اسلام کے مقابلے میں تصوف وہ عالمگیر ضلالت ہے جس نے دنیا کے ذہین ترین لوگوں کو متاثر کیا ہے۔'' [برہان:۱۵۶]

''فقیہان کرام اس بات پر متفق ہیں کہ لڑکیوں کے حصے بہر صورت پورے ترکے میں سے دیے جائیں گے۔ ان حضرات کی یہی غلطی ہے جس کی وجہ سے انہیں عول کا وہ عجیب وغریب قاعدہ ایجاد کرنا پڑا ہے جس کو ماہرین فقہ وقانون کی بوالعجبیوں میں قیامت تک بلند ترین مقام حاصل رہے گا۔ کسی شخص نے کبھی علمی دنیا کے اعجوبوں کی تاریخ مرتب کرنا شروع کی تو ہمیں یقین ہے کہ ہمارے علم میراث کی یہ یادگار اس میں سرفہرست ہوگی۔

حیرت ہوتی ہے کہ اسلوب بیان کی نزاکتوں کو سمجھنے اور آیات پر غور وتدبر کرنے کے بجائے ان حضرات نے یہ چیستان اللہ تعالیٰ سے منسوب کر دیا ہے اور اس کی دریافت کا سہرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر باندھا ہے۔'' [میزان:۵۰]

اکابر دیوبند پر غامدی طنز:

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''ایک گروہ اِس بات پر مصر ہوا کہ نہ دین کو خاص اپنے مکتب فکر کے اُصول ومبادی اور اپنے اکابر کی رایوں سے بالاتر ہو کر براہِ راست قرآن وسنت سے سمجھنا ممکن ہے اور مغربی تہذیب اور اُس کے علوم اِس کے مستحق ہیں کہ وہ کسی پہلو سے اہل دین کی نظروں میں ٹھیریں۔ اِس گروہ کے بڑوں میں قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن دیوبندی، انور شاہ کاشمیری، حسین احمد مدنی، اشرف علی تھانوی اور اور شبیر احمد عثمانی کے نام بہت نمایاں ہیں۔...... اَب اس وقت دیکھیے، پہلے گروہ (دیوبندیوں) کی عمر پوری ہو چکی ہے۔ اِس کی مثال اَب اُس فرسودہ عمارت کی ہے جو نئی تعمیر کے وقت آپ سے آپ ویران ہو جائے گی۔''

[مقامات:۲۱]

مدارس پر طنز:

اس سے کوئی شخص اگر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ (حضرت ماعزؓ) بے چارہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ زنا کیا ہے تو اس کے بارے میں پھر کیا عرض کیا جا سکتا ہے! حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے لوگ اگر زنا بالجبر کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں کہ شرفا بھی کبھی کبھی اس کے مرتکب ہو جایا کرتے ہیں تو

اس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے۔ عقل و دانش کی جو مقدار اب ہمارے مدرسوں میں باقی رہ گئی ہے، اس کے بل بوتے پر اس سے زیادہ کیا چیز ہے جس کی توقع ان لوگوں سے کی جاسکتی ہے؟ [مقامات: ۸۵]

غامدی صاحب کے بارے اکابر امت کی رائے:

غامدی صاحب کی شخصیت، اُن کے افکار اور خود ساختہ دین کے مختصر تعارف کے بعد اَب ہم غامدی صاحب کے بارے میں اکابر امت کی آراء پیش کرنا چاہتے ہیں، تاکہ عوام الناس اُن کے شرعی حکم سے آگاہ ہوسکیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ [صدر: وفاق المدارس العربیہ، پاکستان] لکھتے ہیں:

جاوید احمد غامدی کی کتب اور عقائد کا گہرائی سے مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ موصوف کی ہر کتاب بلکہ ہر صفحہ وسطر سے ذہنی آوارگی، کج فہمی، فکری کج روی، آزاد فکری، خود پسندی، تکبر اور ضلالت وگم راہی ٹپکتی ہے۔ [غامدی نمبر: ۱/۳۶]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ [شیخ الحدیث: جامعہ خیر المدارس، ملتان] لکھتے ہیں:

غامدی صاحب لوگوں کو اہل السنۃ والجماعۃ کے متعین کردہ راستے (صراطِ مستقیم) سے ہٹا رہے ہیں۔ (لہٰذا) امت کے لیے اس کے نظریات کو ترک کرنا ضروری ہے۔۔ [غامدی نمبر: ۱/۴۳]

شیخ الحدیث مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہم [امیر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت] لکھتے ہیں:

بدقسمتی سے ہمارے بھولے بھالے عوام جو عموماً دین کی بنیادی و اساسی معلومات سے بھی نا آشنا ہوتے ہیں، غامدی صاحب کی نرالی بوقلمیوں سے متاثر ہو کر جمہور امت سے الگ راہ پر جا رہے ہیں۔ [۴۴]

شیخ التفسیر مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم فرماتے ہیں:

غامدی کی تحریرات میں ایسا خطرناک مواد اور ایسی خوفناک چیزیں ہیں جس سے جدید نسل کے الحاد و بے دینی اور گمراہی وضلالت بلکہ کفر تک میں مبتلا ہونے کا شدید اندیشہ ہے۔ [غامدی نمبر: ۱/۴۵]

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم [نائب صدر: جامعہ دار العلوم کراچی] لکھتے ہیں:

جب ایک مرتبہ کوئی صاحبِ فکر جمہورِ اُمت کے مسلمات سے آزاد ہو کر اپنی راہ الگ اختیار کرلیتا ہے اور یہ تصور کرلیتا ہے کہ وہ اِن مسلمات کے بارے میں پہلی بار اصابتِ فکر کے ساتھ غور کر رہا ہے، اور چودہ صدیوں میں علماءِ امت اُس اندازِ فکر سے محروم رہے ہیں، تو اُس کے اوپر کوئی روک باقی نہیں رہتی۔ ماضی میں یہی طرزِ فکر نہ جانے کتنی گمراہیاں پیدا کر چکا ہے۔ طٰہٰ حسین سے لے کر سر سید تک اور وحید الدین خان صاحب سے لے کر جاوید غامدی صاحب تک کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ [غامدی نمبر: ۱/۴۷]

وکیل احناف شیخ الحدیث مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مد ظلہم لکھتے ہیں:

اس کے زندیق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور زندیقیت کفر فوق کفر ہے۔[صفدر، ش:۵۴]

وکیل احناف مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مد ظلہم [رئیس شعبہ دعوۃ وارشاد: جامعہ خیر المدارس ملتان] لکھتے ہیں:

اِس دور کا سب سے بڑا فتنہ اکابرین سے اعتماد اٹھا کر دین کی نئی تشریح کرنے کا ہے۔ دورِ حاضر میں باقی فتنوں کی طرح ایک جاوید غامدی کا فتنہ ہے۔

ترجمان دیوبند مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ [سرپرست اعلیٰ: اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ] لکھتے ہیں:

گذشتہ چند سالوں سے مولانا محمد عمار خان صاحب ناصر اہل حق کی نظروں میں متنازع فیہ شخصیت قرار پا چکے ہیں کہ وہ جاوید غامدی پرویزی کی تقلید میں جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کی راہ سے ہٹ کر گمراہی کی دلدل میں پھنس چکے ہیں۔[۴۸]

شیخ الحدیث مولانا منیر احمد منور مد ظلہم لکھتے ہیں:

اہل قرآن، اہل حدیث، مودودی ازم، فتنہ غامدیت اور ان جیسے دیگر اسلاف واکابر کے فکر وتحقیق سے آزاد اداروں، شخصیتوں اور ان کے لٹریچر سے احتراز لازم ہے کہ اس میں دین وایمان کی حفاظت ہے۔[۴۹]

شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مد ظلہم لکھتے ہیں:

احقر کی نظر میں جاوید غامدی صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اسلام پر بعض اہل عقل کے اعتراضات دیکھ کر ہتھیار ڈال دیئے اور بے بس ہو کر ان کو مطمئن کرنے کے لیے دین میں تحریفات کو اپنا شیوہ بنایا اور دین کے اصلی حلیہ کو بگاڑ کر رکھ دیا۔[۵۰]

مولانا مفتی عبد القدوس ترمذی مد ظلہم لکھتے ہیں:

موصوف جہاں اور بہت سے باطل نظریات کے حامل ہیں وہاں وہ قرآن کریم کی متواتر قراآت کے بھی منکر ہیں۔[۵۲]

مولانا مفتی جمیل الرحمٰن مد ظلہم لکھتے ہیں:

''غامدیت'' اِس وقت کے بڑے فتنوں میں سے ہے۔[۵۳]

مولانا قاضی نثار احمد مد ظلہم لکھتے ہیں:

جاوید احمد غامدی صاحب اہل سنت سے خارج اور خلاف شرع عقائد ونظریات کا حامل وداعی ہے۔ ان میں سے بعض امور نہ صرف سخت گمراہی کے زمرے میں داخل ہیں بلکہ کفر کی سرحد کو چھو رہے ہیں۔[۵۴]

غامدی سے متعلق چند فتاویٰ جات:

مولانا مفتی حمید اللہ جان رحمہ اللہ کا فتویٰ:

یہ شخص زندیق ہے اور اس کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ناجائز ہے۔[غامدی نمبر:۱/۵۹۴]

مولانا مفتی عبد الواحد مدظلہم کا فتویٰ:

جاوید احمد غامدی گمراہ ہے اور اُس کے افکار گمراہی کا پلندہ ہیں۔...... کچھ باتیں تو کفر کے قریب تک پہنچ گئی ہیں۔[غامدی نمبر:۱/۵۹۵]

جامعہ دار العلوم کراچی کا فتویٰ:

(۱)......جاوید احمد غامدی صاحب نے بہت سے اجماعی اور متفقہ مسائل میں اپنی الگ رائے قائم کی ہے، ایسے مسائل جن میں چودہ صدیوں تک تمام اہلِ علم متفق رہے ان کے بارے میں اجماعی موقف سے انحراف کرنا اور چودہ صدیوں کے اہلِ علم کے متفقہ موقف کو غلط قرار دینا کھلی گمراہی اور ضلالت ہے، منسلکہ سوالنامہ میں مذکور غامدی صاحب کے تمام افکار و نظریات پر تفصیل سے بحث کرنا تو اس فتویٰ میں مشکل ہے، اِس لیے ہم نے نمونہ کے طور پر ان میں سے چند مسائل میں غامدی صاحب کے نقطہ نظر کو ان کی کتب ''میزان، برہان اور مقامات'' سے نقل کر کے اس کا جائزہ لیا ہے جس سے حقیقتِ حال واضح ہو جاتی ہے، اور اس کی روشنی میں مذکورہ نظریات کا حامل شخص بڑا گمراہ اور فاسق ہے۔

(۲)......مذکورہ نظریات جمہور اہلِ سنت کے یکسر خلاف ہیں، اِس لیے ان نظریات کے حاملین کے ساتھ زیادہ میل جول اور دوستانہ تعلقات رکھنے میں اپنے اعمال اور عقائد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے، لہٰذا بوقتِ ضرورت بقدرِ ضرورت تعلقات رکھنے پر اکتفاء کرنا چاہیے، اور ان لوگوں کو رشتہ دینے اور لینے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے۔

(۳)......اپنے اختیار سے ایسے فاسد نظریات کے حامل شخص کو امام بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۴)......ایسے گمراہ کن لٹریچر کی اشاعت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی اشاعت سے فتنہ، انتشار اور گمراہی پھیلے گی، اور اِن لوگوں کے فاسد عقائد اور نظریات پھیلانے میں تائید ہوگی جو کہ جائز نہیں ہے، نیز عوام کے لیے ایسے لوگوں کی تحریریں اور تقریریں پڑھنے اور سننے سے اجتناب کرنا ضروری ہے، کیونکہ ایسے لوگوں کی تحریروں اور تقریروں سے عوام اور سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

(۵)......علمائے کرام کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرائط کا خیال رکھتے ہوئے اپنی تحریر اور

تقریر سے مثبت انداز میں مذکورہ فاسد عقائد اور نظریات کی تردید کرنی چاہیے اور عام مسلمانوں کو اس فتنہ سے خبردار کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

جامعۃ الرشید کراچی کا فتویٰ:

(۱)......مذکورہ بالا افکار ونظریات میں سے اکثر اہل السنۃ والجماعۃ کے افکار کے بالکل خلاف ہیں اور سراسر گمراہی پر مبنی ہیں مثلا: اجماع کا انکار، ظہورِ مہدی کا انکار، رجم اور مرتد کی شرعی سزا کا انکار، قرآن کی ایک قراءت کے علاوہ بقیہ قراءتوں کا انکار، داڑھی کے دین کا حصہ ہونے کا انکار وغیرہ۔ لہٰذا جو شخص ان نظریات کا حامل ہو وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج، مبتدع اور ضال ومضل ہے۔

......البتہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات ونزول کے عقیدہ کو کئی معتبر ومستند علمائے کرام نے ضروریاتِ دین میں شمار کیا ہے اور اس کا انکار یا اس میں تاویل کرنے والے کو کافر قرار دیا ہے۔

(۲)......جو لوگ ان گمراہ افکار ونظریات کی تائید کرتے ہیں وہ بھی اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور گمراہ ہیں۔

(۳)......ایسے شخص کو مذہبی پیشوا بنانا، اس سے شرعی احکام کے متعلق سوال کرنا، اس کے اور اس کے متبعین کے بیانات سننا اور ان کی تحریریں پڑھنا ہرگز جائز نہیں۔ اس میں گمراہی کا شدید خدشہ ہے، اس لیے اس سے اجتناب لازم ہے۔

(۴)......غامدی صاحب کی تصنیفات میں ان کے افکار وخیالات دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ غامدی صاحب اجتہاد کے مدعی ہیں، نہ صرف یہ بلکہ اجتہاد میں ان کا مقام بزعمِ خویش اتنا بلند ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین کے متفق علیہ موقف کے خلاف کوئی موقف اختیار کرنا ان کا حق ہے۔ چنانچہ جن عقائد واحکام پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک چودہ سو سال سے اتفاق چلا آ رہا ہے، عام طور پر وہ انہی کو موضوع تحقیق بناتے ہیں اور ان مسائل میں اختلاف اور شکوک وشبہات پیدا کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے ان کے ادارے میں رکنیت حاصل کرنا شرعا جائز نہیں۔

(۵)......ان نظریات کے حاملین کے لٹریچر کی ترویج یا نشر واشاعت کرنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ تحریر وتقریر کے ذریعے اس فتنہ کی گمراہی کو واضح کریں، ناواقف لوگوں کو اس بے دینی کے سیلاب اور اس گمراہی کے جال سے بچائیں اور اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے ہر ممکن کوشش کریں۔ [مجلّہ صفدر، شمارہ ۵۴]

جامعہ اشرفیہ لاہور کا فتویٰ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے قبل نزول من السماء قرآن کریم کی آیات، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا ہر مسلمان پر لازم اور ضروری ہے۔ اس عقیدے کا انکار کرنے والا شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ [صفدر، شمارہ:۵۴]

دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کا فتویٰ:

...... دائرہ اسلام سے خارج، ضال اور مضل اور کفریہ عقائد کا مالک ہے۔ ایسے شخص کی پیروی کرنا اور اس کو مقتداء اور پیشوا ماننا اور داعی اسلام سمجھنا اپنے آپ کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا ہے۔ اِس سے خود بھی بچنا اور دوسروں کو بچانا فرض ہے۔ [غامدی نمبر:۱/۵۹۶]

جامعہ خیر العلوم خیر پور ٹامیوالی کا فتویٰ:

بعض نظریات تو خالصتاً کفر ہیں......باقی تمام نظریات بھی جمہور امت کے نظریات کے خلاف ہیں......مذکورہ شخص ضال و مضل، ملحد و بے دین ہے۔ [غامدی نمبر:۱/۵۹۷]

جامعہ خلفائے راشدین احمد پور کا فتویٰ:

شخص مذکور اپنے عقائد و نظریات کی روشنی میں ملحد اور بے دین ہے۔ [غامدی نمبر:۱/۵۹۹]

مولانا زاہد الراشدی صاحب کی غامدی سے عقیدت:

ہم سابقہ سطور میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی شخصیت اور افکار کا تعارف پیش کرنے کے بعد اُن کے بارے میں علماء و مشائخ کی آراء اور مفتیان کرام کے فتوے درج کر چکے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام علماء دین اُن کو ایک ناسور سمجھتے ہیں۔ لیکن مولانا زاہد الراشدی صاحب دیگر بعض خیالات کی طرح اِس مقام پر جمہور علماء سے الگ رائے رکھتے ہوئے غامدی صاحب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، چنانچہ جب غامدی صاحب نے ''اسلامی نظریاتی کونسل'' سے استعفیٰ دیا تو مولانا زاہد الراشدی صاحب روزنامہ پاکستان کے کالم میں اِس پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میرے لیے یہ خبر افسوس اور رنج کا باعث بنی ہے کہ محترم جاوید حمد غامدی نے اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت سے احتجاجاً استعفادے دیا ہے۔ غامدی صاحب علوم عربیہ کے ممتاز ماہرین میں شمار ہوتے ہیں اور دینی لٹریچر پر بھی اُن کی گہری اور وسیع نظر ہے۔ اِسلامی نظریاتی کونسل میں ایسے فاضلین کی موجودگی بہت سے معاملات میں راہ نمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہی مجلس میں جہاں بحث و مباحثے اور مشترکہ فکری کاوش کے ساتھ مسائل کا فقہی حل تلاش کیا جاتا تھا، مختلف اور متنوع علوم

وفنون کے ماہرین شریک ہوتے تھے اور ان کی موجودگی اِس بات کی ضمانت سمجھی جاتی تھی کہ مسئلے کے تمام علمی اور فنی پہلوؤں پر غور وخوض کے بعد اس کا حل پیش کیا گیا ہے۔‘‘

[روزنامہ پاکستان،۲۴ر ستمبر ۲۰۰۶ء،بحوالہ الشریعہ: جون ۲۰۱۴ء،ص: ۹۵]

’’علوم عربیہ کے ممتاز ماہر‘‘ اِن صاحب کے بارے میں مولانا زاہدالرشدی صاحب کے چھوٹے بھائی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس قارن مدظلہم لکھتے ہیں:

’’موجودہ دور میں میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ نے انتہائی مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے آزاد خیال پروفیسر جاوید احمد غامدی صاحب کو بہت شہرت دی، وہ خود بھی اپنے آپ کو قرآن کریم کی براہ راست تفسیر کرنے کا اہل سمجھتے ہیں اور ان کے پیروکار تو ان کو اجتہاد کے منصب کا اہل سمجھنے لگ گئے ہیں۔مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ صاحبِ مطالعہ، صاحبِ معلومات اور صاحبِ لسان ضرور ہیں، اور اپنے اندازِ بیان سے سامعین کو مطمئن کرنے میں مہارت تو رکھتے ہیں مگر ان کے بیانات اور تصانیف میں وہ علمی جھلک ذرا بھی نظر نہیں آتی جو ’’اہل علم‘‘ کی تصانیف میں پائی جاتی ہے۔ دورِ حاضر کے کئی فضلاء کرام اور پروفیسر حضرات کی لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا موقعہ ملتا رہتا ہے، ان کے انداز اور بالخصوص عربی اور فارسی عبارات کے مفہوم کو اپنی زبان میں واضح کرنے کی صلاحیت دیکھ کر دیانتداری سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کا درجہ اور مرتبہ اِس معاملہ میں غامدی صاحب سے بہت بلند ہے، غامدی صاحب اپنے آپ کو قرآن کریم کی براہ راست تفسیر کرنے کا اہل سمجھتے ہیں، حالانکہ حقیقت کی دنیا میں ان کو ناقلین کے زمرہ میں شمار کرنا بھی بددیانتی ہے، اس لیے کہ ناقل کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ عبارت کے مفہوم کو سمجھ کر اپنی زبان میں اس کی وضاحت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جبکہ غامدی صاحب اِس صلاحیت سے یکسر محروم دکھائی دیتے ہیں۔ [فتنہ غامدی نمبر: ۳۵۸]

حضرت قارن صاحب مدظلہم نے غامدی صاحب کی کتاب ’’میزان‘‘ سے دس عربی عبارتیں نقل کرکے اُن کے ’’غامدی ترجمہ‘‘ کی غلطیوں کو واضح کیا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غامدی صاحب عربی عبارت کا صحیح ترجمہ کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔

محض عبارت کا مفہوم سمجھ کر اُس کی اپنی زبان میں وضاحت کرنے سے قاصر ’’علوم عربیہ کے ماہر‘‘ اِن صاحب کی شخصیت وافکار کا تعارف اِس نیت سے پیش کیا گیا ہے کہ عوام الناس اِس قسم کے ’’ماہر علماء‘‘ اور ’’دلیل‘‘ کے دلدادہ حضرات سے بآسانی بچ سکیں۔ وما توفیقی إلا باللہ

اللہ تعالیٰ ہر قسم کے داخلی وخارجی فتنوں سے امت کی حفاظت فرمائے۔ اور جملہ اہل سنت کو صراطِ مستقیم پر قائم ودائم رکھے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ☆☆☆☆